اسلام کی راہِ راست اور اس سے انحراف کی راہیں

مسلمانوں میں جو لوگ پاکستان کے نصب العین پر اپنی نظر جمائے ہوئے ہیں، اور جو انگریزی حکومت سے ہندوستان کی آزادی پر اپنی آئندہ کی تمام امیدوں کا انحصار رکھتے ہیں، اور جو ان دونوں کے درمیان مختلف راہیں تلاش کر رہے ہیں، ان سب کے اندر ایک چیز مجھے مشترک نظر آتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اسلام کے اصلی نصب العین کی طرف براہ راست پیش قدمی کرنے سے یہ سب لوگ جھجکتے ہیں، مشکلات کا ایک بہت بڑا پہاڑ انکو اس راستے میں حائل نظر آتا ہے اور اُس کو دور سے دیکھ کر یہ دائیں یا بائیں جانب مُڑ جاتے ہیں تاکہ پہیر کے راستوں سے نکل جائیں۔ حالانکہ میں علی وجہ البصیرت یہ سمجھتا ہوں کہ اسلامی نصب العین تک کسی پھیر کے راستے سے پہنچنا غیر ممکن ہے۔ اسکی طرف اگر پیش قدمی کی جاسکتی ہے تو براہِ راست ہی کی جاسکتی ہے، اور جو مشکلات اس راستہ میں نظر آتی ہیں وہ ناقابلِ عبور نہیں ہیں بلکہ ہر وقت قابلِ عبور ہیں بشرطیکہ انکو صحیح طور سے سمجھنے اور دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

اوپر کے فقرے میں جو مجمل دعوے میں نے کیا ہے اب میں اس کا تجزیہ کرکے ایک ایک جزو پر الگ الگ بحث کرونگا۔

۱۔ اصل اسلامی نصب العین کیا ہے؟

۲۔ اسکی طرف پیش قدمی کا سیدھا راستہ کونسا ہے؟

۳۔ اس راستہ میں جو مشکلات نظر آتی ہیں وہ کیا ہیں؟

۴۔ ان مشکلات کو دیکھ کر پھیر کے راستے کونسے اختیار کیے جا رہے ہیں؟

۵- ان مختلف راستوں میں غلطی کیا ہے اور یہ اصل مقصود تک کیوں نہیں پہنچا سکتے؟

۶- مشکلات کی حقیقی نوعیت کیا ہے اور وہ کس طرح دور ہو سکتی ہیں؟

یہ سوالات ہیں جن پر مجھے اس مضمون میں مختصراً بحث کرنی ہے۔

۱- اسلامی نصب العین

پہلے سوال کا جواب قرآن مجید میں جو کچھ دیا گیا ہے وہ یہ ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔

"وہی ہے (یعنی اللہ) جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسکو پوری جنسِ دین پر غالب کر دے خواہ یہ کام مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو"

اس آیت میں الھدیٰ (ہدایت) سے مراد دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ ہے انفرادی برتاؤ، خاندانی نظام، سوسائیٹی کی ترکیب، معاشی معاملات، ملکی انتظام، سیاسی حکمت عملی، بین الاقوامی تعلقات، غرض زندگی کے تمام پہلوؤں میں انسان کی زندگی کے لیے صحیح رویّہ کیا ہونا چاہیے، یہ چیز اللہ نے اپنے رسول کو بتا کر بھیجا ہے۔

دوسری چیز جو اللہ کا رسول لے کر آیا ہے وہ دینِ حق ہے۔ دین کے معنی اطاعت کے ہیں کیش اور مذہب کے لیے جو دین کا لفظ استعمال ہوتا ہے یہ اس کا اصل معنی موضوع لہا نہیں ہے بلکہ اسکو دین اس حیثیت سے کہتے ہیں کہ اس میں بھی انسان خیال و عمل کے ایک خاص سسٹم کی اطاعت کرتا ہے۔ ورنہ دراصل دین کا لفظ قریب قریب وہی معنی رکھتا ہے جو زمانۂ حال میں لفظ "اسٹیٹ" کے معنی ہیں۔ لوگوں کا کسی بالاتر اقتدار کو تسلیم کر کے اسکی اطاعت کرنا، یہ "اسٹیٹ" ہے۔ یہی دین کا مفہوم بھی ہے، اور "دین حق" یہ ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کی، خود اپنے نفس کی اور تمام مخلوقات کی بندگی و اطاعت چھوڑ کر صرف اللہ کے

اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کرے اور اُسی کی بندگی و اطاعت اختیار کرے۔ پس درحقیقت اللہ کا رسول اپنے بھیجنے والے کی طرف سے ایک ایسے "اسٹیٹ" کا نظام لے کر آیا ہے جس میں نہ تو انسان کی خود اختیاری کے لیے کوئی جگہ ہے، نہ انسان پر انسان کی حاکمیت کے لیے کوئی مقام، بلکہ حاکمیت و اقتدارِ اعلیٰ جو کچھ بھی ہے صرف اللہ کے لیے ہے۔

پھر رسول کے بھیجنے کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اِس نظامِ اطاعت (دین) اور اُس قانونِ حیات (الھدیٰ) کو پوری جنسِ دین پر غالب کر دے۔ پوری جنسِ دین سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں انسان انفرادی یا اجتماعی طور پر جن جن صورتوں سے کسی کی اطاعت کر رہا ہے وہ سب "جنسِ دین" کی مختلف انواع ہیں۔ بیٹے کا والدین کی اطاعت کرنا، بیوی کا شوہر کی اطاعت کرنا، نوکر کا آقا کی اطاعت کرنا، ماتحت کا افسر کی اطاعت کرنا، رعیت کا حکومت کی اطاعت کرنا، پیروؤں کا پیشواؤں اور لیڈروں کی اطاعت کرنا، یہ اور ایسی ہی دوسری بے شمار اطاعتیں بحیثیت مجموعی ایک نظامِ اطاعت بناتی ہیں اور اللہ کی طرف سے رسول کے آنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ پورا نظامِ اطاعت اپنے تمام اجزا سمیت ایک بڑی اطاعت اور ایک بڑے قانون کے ماتحت ہو جائے، تمام اطاعتیں اللہ کی اطاعت کے تابع ہوں، اُن سب کو منضبط (Regulate) کرنے والا ایک اللہ ہی کا قانون ہو، اور اُس بڑی اطاعت اور اُس ضابطۂ قانون کی حدود سے باہر کوئی اطاعت باقی نہ رہے۔

یہ رسول کا مشن ہے اور رسول اِس مشن کو پورا کرنے پر مامور ہے، خواہ شرک کرنے والے اُس پر کتنی ہی ناک بھوں چڑھائیں۔ شرک کرنے والے کون ہیں؟ وہ سب لوگ جو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ دوسری مستقل بالذات (یعنی خدا کی اطاعت سے آزاد) اطاعتیں شریک کرتے ہیں۔ جہاں تک اللہ کے قانونِ طبیعی (Law of nature) کا تعلق ہے، ہر انسان طوعاً و کرہاً اسکی اطاعت کر رہا ہے کیونکہ اس اطاعت کے بغیر تو اُسکے لیے کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ مگر جہاں تک انسان کے دائرہ

اختیار کا تعلق ہے، اس دائرے میں بعض انسان تو بالکل ہی غیر اللہ کے مطیع بن جاتے ہیں اور بعض انسان اپنی زندگی کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے کسی حصہ میں خدا کے بھیجے ہوئے قانونِ اخلاقی (شریعت) کی اطاعت کرتے ہیں اور کسی دوسرے حصہ میں اپنے نفس کی یا دوسروں کی اطاعت کرتے ہیں۔ اسی چیز کا نام اللہ کی اطاعت کے ساتھ دوسری اطاعتوں کو شریک کرنا ہے، اور جو لوگ شرک کی ان مختلف صورتوں میں مبتلا ہیں، اُن کو یہ بات ناگوار ہوتی ہے کہ اپنی فطری اطاعت کی طرح اپنی اختیاری اطاعت و بندگی کو بھی بالکلیہ اللہ کے لیے خالص کر دیں۔ خواہ نادانی کے سبب سے، یا اخلاقی کمزوری کے سبب سے، بہرحال وہ شرک پر اصرار کرتے ہیں، لیکن اللہ کے رسول پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کی مزاحمت کے باوجود وہ اپنے مشن کو پورا کرے۔

۲۔ اسلامی نصب العین تک پہنچنے کا سیدھا راستہ

یہ ہے اسلامی نصب العین، اور اس نصب العین کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے راہِ راست وہی ہے جو اللہ کے رسول نے اختیار کی، یعنی یہ کہ لوگوں کو "الھدیٰ" اور "دینِ حق" کی طرف دعوت دی جائے۔ پھر جو لوگ اس دعوت کو قبول کر کے اپنی بندگی و اطاعت کو اللہ کے لیے خالص کر دیں، دوسری اطاعتوں کو اللہ کی اطاعت کے ساتھ شریک کرنا چھوڑ دیں، اور خدا کے قانون کو اپنی زندگی کا قانون بنالیں، اُن کا ایک مضبوط جتھا بنایا جائے۔ پھر یہ جتھا تمام اُن اخلاقی، علمی اور مادّی ذرائع سے جو اسکے امکان میں ہوں، دینِ حق کو قائم کرنے کے لیے جہادِ کبیر کرے یہاں تک کہ اللہ کے سوا دوسری اطاعتیں جن جن طاقتوں کے بل پر قائم ہیں اُن سب کا زور ٹوٹ جائے اور پورے نظام اطاعت پر وہی الھدیٰ اور دینِ حق غالب ہو جائے۔

اِس راہِ راست کا ہر جزء قابلِ غور ہے:

پہلا جزء یہ ہے کہ انسانوں کو بالعموم اللہ کی حاکمیت و اقتدار اعلیٰ تسلیم کرنے اور اسکے بھیجے ہوئے

قانون کو اپنی زندگی کا قانون بنانے کی دعوت دی جائے۔ یہ دعوت عام ہونی چاہیے۔ ہر وقت جاری رہنی چاہیے اور اسکے ساتھ دوسری غیر متعلق باتوں کی آمیزش نہ ہونی چاہیے۔ قوموں اور نسلوں اور ملکوں کے باہمی جھگڑے خود اپنے سیاسی اور معاشی مفادات کی بحثیں، غیر الٰہی نظامات میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا، یا کسی ایسے نظامِ فاسد کی خود غرضانہ حمایت کرنا، یا کسی نظامِ فاسد میں اپنی جگہ بنانے کی کوشش کرنا، یہ سب چیزیں نہ صرف یہ کہ الھدیٰ اور دینِ حق کی دعوت کے ساتھ میل نہیں کھاتیں بلکہ صریح طور پر اُس کے منافی اور اسکے لیے مضرت رساں ہیں۔ پس جب کسی شخص یا گروہ کو دعوتِ حق کی خدمت انجام دینی ہو تو اسے اِن تمام جھگڑوں اور بحثوں سے الگ ہو جانا چاہیے اور اپنی دعوت کے ساتھ کسی دوسرے غیر متعلق اور بے جوڑ قضیے کو شامل نہ کرنا چاہیے۔

دوسرا جزء یہ ہے کہ جنھا صرف اُن لوگوں کا بنایا جائے جو اس دعوت کو جان کر اور سمجھ کر قبول کریں، جو بندگی و اطاعت کو فی الواقع اللہ کے لیے خالص کر دیں، جو دوسری اطاعتوں کو اللہ کی اطاعت کے ساتھ واقعی شریک کرنا چھوڑ دیں اور حقیقت میں اللہ کے قانون کو اپنا قانونِ زندگی بنا لیں۔ رہے دوسرے لوگ جو اِس طرزِ خیال یا اِس طرزِ زندگی کے محض معترف ہوں، یا اِس سے ہمدردی رکھتے ہوں، لیکن وہ مجاہدہ کرنے والے جتھے کے لیڈر کیا معنی، کارکن بھی نہیں بن سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ جو جس درجہ میں بھی اس کا ہمدرد یا بیرونی معاون بن جائے بسا غنیمت ہے، مگر ارکان اور ہمدردوں کے درمیان جو حقیقی فرق و امتیاز ہے اُسے کسی حال میں نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔

تیسرا جزء یہ ہے کہ براہِ راست غیر الٰہی نظامِ اطاعت پر حملہ کیا جائے، تمام کوششوں کا مقصود صرف اِس ایک بات کو بنایا جائے کہ اللہ کی حاکمیت قائم ہو، اور اسکے سوا کسی دوسری چیز کو مقصود بنا کر اسکے پیچھے قوتیں ضائع نہ کی جائیں۔

۳۔ مشکلات

اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی جتنی مستقل سیاسی جماعتیں ہیں، قریب قریب اُن سب کا

دعویٰ یہی ہے کہ ہمارا نصب العین اسلامی نصب العین ہی ہے، مگر ان سب نے اُس راہ راست کو چھوڑ دیا ہے جسکی تشریح ابھی میں نے بیان کی ہے۔ وہ نہ تو "الھدیٰ" اور "دینِ حق" کی خالص، بے آمیز دعوتِ عام دیتی ہیں۔ نہ اُس پارٹی کی تشکیل کرتی ہیں جسکی قیادت و رکنیت صرف اُن لوگوں تک محدود ہو جو واقعی اپنی بندگی و اطاعت کو اللہ کے لیے خاص کرتے ہوں۔ اور نہ وہ غیر متعلق مقاصد کو چھوڑ کر صرف اُس ایک مقصد کو اپنی کوششوں کا ہدف بناتی ہیں جس کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے۔ راہِ راست کے اِن تینوں اجزاء سے یہ سب جماعتیں منحرف ہو گئی ہیں۔

اس انحراف نے مختلف جماعتوں کے مسلک میں کیا کیا صورتیں اختیار کی ہیں؟ اِسکی تفصیل میں بعد میں بیان کرونگا۔ پہلے میں اس انحراف کا سبب بتا دینا چاہتا ہوں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اِن لوگوں کو اصل اسلامی نصب العین کی طرف براہِ راست پیش قدمی کرنے میں تین بڑی زبردست مشکلات نظر آتی ہیں جنکا کوئی حل اُنکی سمجھ میں نہیں آتا۔

(۱) سب سے پہلی مشکل جو اِنکے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ الھدیٰ اور دینِ حق کی طرف دعوت عام کا نتیجہ خیز اور کامیاب ہونا موجودہ حالات میں انکو محال نظر آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دوسری تحریکیں تو محض سیاسی، تمدنی اور معاشی مسائل کا حل پیش کرتی ہیں اور جن لوگوں کو اُنکا تجویز کردہ حل اپیل کرتا ہے وہ اپنا مذہب اور اپنی قومیت تبدیل کیے بغیر اُن تحریکوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ مگر اسلام محض دنیوی مسائل کا حل ہی پیش نہیں کرتا بلکہ عقائد کا ایک نظام اور عبادات اور قوانین شرعیہ کا ایک ضابطہ بھی پیش کرتا ہے، اور اس تحریک میں شامل ہونے کے لیے ناگزیر ہے کہ لوگ اپنا مذہب اور اپنی قومیت تبدیل کر دیں۔ پھر یہ کیسے امید کی جا سکتی ہے کہ اسلام کی دعوتِ عام اُس طرح پھیل سکے گی جس طرح دوسری تحریکیں پھیلتی ہیں؟

(۲) دوسری مشکل جو اس راستہ میں انہیں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کے خلاف لوگوں میں شدید تعصبات پھیلے ہوئے ہیں۔ انکا خیال یہ ہے کہ دوسری تحریکوں کا پھیلنا آسان ہے کیونکہ اُنکے خلاف تعصبات

موجود نہیں ہیں، مگر اسلام کا پھیلنا مشکل ہے کیونکہ اس کا نام سنتے ہی ماضی اور حال کے تعصبات کا ایک طوفان اُٹھ جاتا ہے۔

(۳) تیسری مشکل اُنکی نگاہ میں یہ ہے کہ کروڑوں مسلمانوں کی ایک قوم یہاں موجود ہے جو "قومیت" کے اعتبار سے تو "مسلمان" ہے، مگر اسکا اخلاقی مرتبہ اتنا بلند نہیں ہے کہ وہ اسلامی نصب العین کے لیے جدوجہد کر سکے۔ اِس قوم کو لے کر اُس راستہ پر چلنا چاہیں تو چل نہیں سکتے۔ اسکو چھوڑ کر چلنے کو جی نہیں چاہتا۔ اور پھر یہ سوال بھی دماغ کو پریشان کرتا ہے کہ اگر تمام مقاصد کو نظر انداز کر کے صرف ایک الٰہی حکومت کے مقصد پر توجہات مرکوز کر دی جائیں تو آخر موجودہ سیاسی حالات اور آئندہ کے دستوری تغیرات میں "مسلمانوں" کے قومی مفاد کا کیا حشر ہوگا۔

۴۔ انحراف کی راہیں

یہی تین مشکلات ہیں جنکو اِس راہ میں حائل دیکھ کر لوگ دائیں اور بائیں رخ پر راستہ کترا کر نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جزئیات کے اعتبار سے مختلف لوگوں کے نظریات اور عملی طریقوں میں جو اختلافات ہیں انکو نظر انداز کر کے بڑی اور اصولی تقسیم اگر کی جائے تو یہ سب تین گروہوں میں منقسم ہو جاتے ہیں:

ایک وہ گروہ جو کہتا ہے کہ پہلے ہمیں ہندوستان کی غیر مسلم آبادی کے ساتھ موافقت کر کے اس ملک کو انگریزی اقتدار سے آزاد کرا لینا چاہیے تاکہ یہاں ایک مشترک جمہوری اسٹیٹ قائم ہو جائے۔ یہ مرحلہ طے ہو جانے کے بعد ہم بتدریج اُس اسٹیٹ کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کرنے کے لیے کوشش کرینگے۔

دوسرا وہ گروہ جس کا خیال یہ ہے کہ پہلے انگریزی اقتدار کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر ہمیں مستقل ہندو اکثریت کے تسلط کا سدِ باب کرنا چاہیے، اور ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ اس ملک میں ایک

جمہوری اسٹیٹ کے بجائے دو اسٹیٹ قائم ہوں، ایک وہ اسٹیٹ جس میں مسلم اکثریت کی وجہ سے اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں آئے اور دوسرا وہ اسٹیٹ جس میں ہندو اکثریت کی وجہ سے اقتدار ہندوؤں کے ہاتھ میں جائے مگر زیادہ سے زیادہ جو آئینی تحفظات ممکن ہیں اُنکے ذریعہ سے مسلمانوں کی پوزیشن محفوظ ہو جائے۔ یہ مرحلہ طے ہونے کے بعد ہم مسلم اکثریت والے اسٹیٹ کو بتدریج اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کرینگے اور پھر ہندو اکثریت والے اسٹیٹ میں تغیر و اصلاح کی کوشش کرینگے۔

تیسرا وہ گروہ جو موجودہ حالات میں دعوتِ عام اور ایک انقلابی پارٹی کی تشکیل کو آسان بنانے کے لیے اسلام کو ایک دوسرے سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے تاکہ وہ اُن لوگوں کے لیے قابل قبول ہو جائے جو اسلامی عقائد اور عبادات اور نظامِ شریعت کی بندشوں سے گھبراتے ہیں۔ اس گروہ نے اگرچہ ابھی کوئی مستقل جماعتی صورت نہیں اختیار کی ہے، مگر مجھے معلوم ہے کہ اس طرزِ خیال کے لوگ ایک اچھی خاصی تعداد میں پیدا ہو گئے ہیں اور انکی تجویزیں اِس وقت حالتِ جنینی (Embryonic stage) سے گذر رہی ہیں۔

۵۔ منحرف راستوں کی غلطی

اب میں ان میں سے ایک ایک گروہ کے طریقہ پر الگ الگ تنقید کر کے بتاؤنگا کہ ان طریقوں میں غلطی کیا ہے، اِن میں سے ہر ایک نے اسلام کی راہِ راست سے کس طرح انحراف کیا ہے، اور ان پھر کے راستوں سے اصل اسلامی نصب العین تک پہنچنا ابداً غیر ممکن الوقوع کیوں ہے۔

"آزادی ہند" کو مقدم رکھنے والے | پہلا گروہ زیادہ تر علماء اور مذہبی خیالات کے لوگوں پر مشتمل ہے اور بالعموم اِس گروہ کے لوگ دوسرے گروہ کی بہ نسبت زیادہ مذہبی ہیں۔ اسی وجہ سے اِن کے انحراف پر مجھ کو سب سے زیادہ افسوس ہے۔ اِن حضرات نے مذکورۂ بالا مشکلات سے خوف زدہ ہو کر یہ خیال قائم کر لیا کہ موجودہ حالات میں اصل اسلامی نصب العین کی طرف براہِ راست پیش قدمی نہیں کی جا سکتی، اس لیے

انہوں نے اپنی کوششوں کا مقصود یہ ٹھیرایا کہ "ہندوستان انگریزی اقتدار سے آزاد ہو جائے"۔ مقصود بدل جانے سے لامحالہ راستہ بھی بدل گیا۔ اسلام کی راہِ راست کے تین اجزاء جو میں نے ابتدا میں بیان کیے ہیں، ان کا راستہ ہر جزء میں اس سے مختلف ہے:

(۱) دعوت کے باب میں اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی حاکمیت و اقتدارِ اعلیٰ تسلیم کرنے کی طرف بلایا جائے۔ مگر یہ ہندوستان کے باشندوں کو اس طرف بلاتے ہیں کہ تم خود مالک الملک بنو۔ یہ غیر الٰہی اقتدارِ اعلیٰ کی نفی نہیں کرتے بلکہ صرف انگریزی اقتدارِ اعلیٰ کی نفی کرتے ہیں۔ اور یہ الٰہی اقتدارِ اعلیٰ کا اثبات بھی نہیں کرتے بلکہ اسکی جگہ باشندگانِ ملک کی خود اختیاری اور جمہوری اقتدارِ اعلیٰ کا اثبات کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ شرک ہونے کی حیثیت سے انگریزی اقتدارِ اعلیٰ اور جمہوری اقتدارِ اعلیٰ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کی دعوت سراسر غیر اسلامی بلکہ مخالفِ اسلام دعوت ہے۔

انکے نزدیک انگریزی اقتدار کے مقابلہ میں جمہوری اصل ہند کا اختیار، اور انگریزی شریعت کے مقابلہ میں ہندوستانیوں کی قانون سازی قابلِ ترجیح ہے، حالانکہ اسلامی نقطۂ نظر سے دونوں یکساں بغاوت، یکساں کفر اور یکساں طغیان و معصیت ہیں۔

پھر یہ انگریز اور ہندوستانی کے درمیان قومی و وطنی عداوت و تعصب کی آگ بھڑکانے میں حصہ لیتے ہیں، حالانکہ اسلام کی دعوتِ عام کے راستہ میں یہ رکاوٹ ہے۔ اسلام کی نگاہ میں انگریز اور ہندوستانی دونوں انسان ہیں۔ وہ دونوں کو یکساں اپنی دعوت کا مخاطب بناتا ہے۔ اس کا جھگڑا انگریز سے اس بات پر نہیں ہے کہ وہ ایک ملک کا باشندہ ہو کر دوسرے ملک پر حکومت کیوں کرتا ہے۔ بلکہ اس بات پر ہے کہ وہ خدا کی حاکمیت اور اس کے قانون کی اطاعت کیوں تسلیم نہیں کرتا۔ بعینہٖ اسی بات پر اس کا جھگڑا ہندوستانی سے بھی ہے۔ وہ دونوں کو ایک ہی بات کی طرف بلاتا ہے۔ ایک کا حامی بن کر دوسرے سے لڑنا اس کی حیثیت کے منافی ہے کیونکہ اگر وہ ہندوستانی اور انگریز کے وطنی و قومی جھگڑے میں

ایک کا طرف دار اور دوسرے کا مخالف بن جائے[1] تو انگریز کے دل کا دروازہ اُس کی دعوت کے لیے بند ہو جائیگا۔ اب یہ ظاہر بات ہے کہ جو لوگ ایک طرف اسلام کے داعی بنتے ہیں اور دوسری طرف اِس وطنی و قومی جھگڑے میں فریق بھی بنتے ہیں وہ دراصل اسلام کے مفاد کو ہندوستانیت کے مفاد پر قربان کرتے ہیں۔

اِن تمام بنیادی غلطیوں کے ساتھ یہ حضرات کبھی کبھی اسلام کی تبلیغ بھی فرمایا کرتے ہیں۔ مگر ایسی تبلیغ کبھی مؤثر نہیں ہو سکتی۔ ایک ساز سے دو بالکل مختلف آوازیں سُن کر اور ایک زبان سے دو قطعی متضاد باتیں سماعت کر کے آخر کون متأثر ہو سکتا ہے؟

(۲) تشکیل جماعت کے باب میں یہ حضرات اس سے بھی زیادہ مختلط ہیں۔ اول تو دعوت کی نوعیت بدل جانے کی وجہ سے خود ہی جماعت کی ترکیب اور اجزائے ترکیبی کے متعلق انکا نقطۂ نظر بدل گیا ہے۔ دوسرے "مسلمان قوم" کے تخیل نے پریشان خیالی کے لیے ایک اور وجہ بھی پیدا کر دی ہے۔ اِن اسباب سے یہ ہر قسم کے رطب و یابس آدمی اکٹھے کر لیتے ہیں، اور اُن آدمیوں کے اقوال و افعال میں بیک وقت بیسیوں قسم کی متضاد باتوں کا ظہور ہوتا ہے۔ ایک متحد المزاج نظریہ کی حمایت کے لیے آپ اٹھیں تو لامحالہ آپ اپنی پارٹی کے لیے انہی آدمیوں کا انتخاب کرینگے جو یکسوئی کے ساتھ اُس خاص نظریہ کے متبع ہوں بخلاف اِسکے ایک مخلوط اور غیر معیّن مزاج رکھنے والے نظریہ کو لے کر جب آپ اٹھینگے تو آپکا معیار انتخاب اکثر اُن قیود سے آزاد ہو جائیگا جو متحد المزاج نظریہ کے لیے ناگزیر ہیں۔ ابھی چند روز ہوئے مجھے ایک مجلس

[1] اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر ایک قوم دوسری قوم پر ظلم کرے یا اسکے حقوق تلف کرے تو اسلام مظلوم قوم کی حمایت نہ کریگا۔ بلکہ درحقیقت اس کا مطلب یہ ہے کہ قومیت اور وطنیت کی بنیاد پر دونوں قوموں میں جو تنازع ہوگی، اسلام اس میں کوئی حصہ نہ لیگا۔ وہ ظالم کو ملامت کریگا، نہ اس لیے کہ وہ فلاں قوم کا آدمی ہے، بلکہ اس لیے کہ وہ ظالم ہے۔ اور اسی طرح وہ مظلوم کی حمایت بھی اس حیثیت سے نہ کریگا کہ وہ فلاں قوم سے تعلق رکھتا ہے بلکہ صرف اس لیے کہ وہ مظلوم ہے۔

ہیں شریک ہونے کا موقع ملا تھا جہاں ہندوستان کی ایک بہت بڑی ذمہ دار جمعیت کی مقامی شاخ کو منظم کرنے پر گفتگو ہو رہی تھی۔ کچھ دیر کی بحث و تمحیص کے بعد جو بات قرار پائی وہ یہ تھی کہ رکنیت کے فارم طبع کرا لیے جائیں اور پندرہ دن کے اندر زیادہ سے زیادہ ممبر بھرتی کر کے ارکان کا ایک جلسۂ عام کر لیا جائے جس میں عہدہ داروں کا انتخاب ہو جائے۔ لیجیے، بس جمعیت کی مقامی شاخ منظم ہو گئی۔ اس طرح بھانت بھانت کے آدمی محض رکنیت کے فارموں پر دستخط کر کے اور بہ رسالانہ فیس ادا کر کے ان جماعتوں میں داخل ہو جاتے ہیں، پھر انہی آدمیوں کے ووٹوں سے منتخب ہو کر وہ لوگ برسرِ کار آتے ہیں جنکا کام رہنمائی و سربراہ کاری ہوتا ہے، اور ایسے ہی لوگوں کی متفقہ خواہشات سے پالیسیاں بنتی اور بگڑتی ہیں۔ کیا کوئی شخص توقع کر سکتا ہے کہ جماعتی تشکیل کے اس طریقے سے کبھی اسلامی نصب العین کی طرف بھی کوئی پیش قدمی کی جا سکتی ہے؟

(۳) اسی طرح تیسرے جزء میں بھی انکا طریقہ اسلام کی راہ راست سے ہٹا ہوا ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا اسلام براہِ راست غیر اسلامی نظام اطاعت پر حملہ کرتا ہے اور اُسکا تقاضہ یہ ہے کہ تمام مساعی کو حاکمیتِ رب العالمین کے قیام و اثبات پر مرکوز کر دیا جائے۔ لیکن اسکے برعکس یہ لوگ اپنی سعی و جہد کا رُخ برطانوی نظام اطاعت کی تخریب اور حاکمیتِ عوام کے قیام کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ یہ صریح انحراف ہے صراطِ مستقیم سے۔ اس انحراف پر جب اعتراض کیا جاتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ برطانوی نظام اطاعت اسلامی نصب العین کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے، ہم تنہا اس رکاوٹ کو دور نہیں کر سکتے، اسلیے پہلے دوسروں کی مدد سے اس کو دور کر لیں، پھر اصل منزلِ مقصود کی طرف بڑھنے کے لیے راستہ آسان ہو جائیگا۔ مگر میں یہ سمجھنے سے بالکل قاصر ہوں کہ راستہ آسان کیسے ہو جائیگا۔ ظاہر بات ہے کہ ایک نظام اطاعت یا دین کو ہٹا کر اُسکی جگہ دوسرا نظام اطاعت یا دین کبھی قائم نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ نفوسِ انسانی میں پہلے نظام کی تخریب اور دوسرے نظام کی تعمیر کا خیال اور ارادہ کمال درجہ قوت کے ساتھ مستحکم نہ کر دیا جائے۔ اگر ہندوستان کے موجودہ انگریزی نظام اطاعت کی جگہ آپ جمہوری نظام اطاعت قائم کرنا چاہیں تو یہ انقلاب صرف

اسی طرح ممکن ہے کہ آپ باشندگان ہند کے دلوں میں حاکمیتِ انگریز کے بجائے خود اپنی حاکمیت کے برحق ہونے کا تخیل اور عملاً مالک الملک بن جانے کا عزم پوری شدت کے ساتھ پیدا کر دیں۔ برعکس اس کے اگر آپ ہندوستان میں الٰہی نظام اطاعت قائم کرنا چاہیں تو یہ انقلاب بغیر اسکے ممکن نہیں ہے کہ عوام الناس کو خود اپنی حاکمیت کے دعوے سے دست بردار ہونے اور ہر غیر اللہ کی حاکمیت کا انکار کرنے پر آمادہ کریں اور اللہ کے مالک الملک ہونے کا عقیدہ اُنکے دلوں میں اتنی قوت کے ساتھ بٹھائیں کہ وہ اُسکی حاکمیت کے آگے برضا و رغبت سر جھکا دیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کا آخری مقصد الٰہی نظام اطاعت کا قیام ہے وہ کس طرح بحالت ہوش و حواس اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیے ذریعہ کے طور پر یہ تدبیر اختیار کر سکتے ہیں کہ عوام الناس کے دل میں خود اپنی حاکمیت کا عقیدہ اور ارادہ اتنی قوت کے ساتھ بٹھا دیں کہ اسکے زور سے دین انگریز کی مضبوط جمی ہوئی جڑیں اکھڑ جائیں اور دین جمہور کی جڑیں زمین میں جگہ پکڑ لیں؟ جہاں عامۂ خلائق کے دلوں میں اپنی حاکمیت کا عقیدہ اور عزم اتنی قوت کے ساتھ جم گیا ہو کیا وہاں لوگوں کو خداوندِ عالم کے آگے اپنی حاکمیت سے دست بردار ہونے پر آمادہ کرنا موجودہ انگریزی حاکمیت کی جڑیں اکھاڑنے سے کچھ کم مشکل ہے؟ کیا امریکہ، جاپان، جرمنی اور انگلستان جیسے اصطلاحاً "آزاد" ممالک میں حکومت الٰہی کا قیام اس سے کچھ کم دشوار ہے جتنا ہندوستان جیسے اصطلاحاً "غلام" ملک میں دشوار نظر آتا ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے، اور یقیناً نفی ہی میں دیا جا سکتا ہے، تو میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ برطانوی اقتدار کی جگہ ہندوستانی اقتدار کا قیام آخر کس معنی میں حکومت الٰہی کے قیام کی طرف ایک گونہ پیش قدمی ہے۔

تاہم اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ تدبیر عملاً کارگر ہو سکتی ہے تب بھی میں اسکے صحیح ہونے سے انکار کرتا ہوں ـــــ لازم نہیں کہ ہر تدبیر جو کارگر ہو وہ صحیح بھی ہو ـــــ دراصل یہ ایک سخت ناپاک تدبیر ہے جسے اختیار کرنے کا خیال بھی ایک مسلمان دل میں نہیں لا سکتا۔ جو شخص درحقیقت پوری سچائی کے ساتھ اللہ کے مالک الملک ہونے پر ایمان رکھتا ہو وہ آخر کس دل سے یہ گوارا کر سکتا ہے کہ اپنے ایمان

کے خلاف عوام الناس میں اِس عقیدہ کی تبلیغ کرے کہ تم خود مالک الملک ہو؟ جس شخص کا اعتقاد یہ ہو کہ انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی صرف حدود اللہ کی پابند ہونی چاہیے اور حکومت وہ ہونی چاہیے جو اللہ کے سامنے جواب دہ ہو وہ کیونکر اپنی کوششوں کا مقصود یہ قرار دے سکتا ہے کہ انفرادی و اجتماعی زندگی پر حدود جمہور کا تسلط قائم ہو اور حکومت جمہور کے سامنے جواب دہ ہو؟ کس طرح ایک سچے آدمی کی زبان ایسے عقیدے کی اشاعت یا حمایت میں کھل سکتی ہے جسکو وہ فی الواقع باطل سمجھتا ہے، اور کس طرح وہ اُس چیز کے قیام کی راہ میں جان و مال سے جہاد کر سکتا ہے جو اس کے اعتقاد میں حق نہیں بلکہ طاغوت ہے؟

یہ جو کچھ میں نے عرض کیا، یہ تو محض اِس امر کا ثبوت ہے کہ اِن لوگوں کا راستہ اسلام کی راہِ راست سے منحرف ہے۔ رہی یہ بات کہ اِس پھیر کے راستہ سے یہ لوگ کبھی اسلام کے نصب العین تک نہیں پہنچ سکتے، تو اس دعوے پر میرے پاس یہ دلیل ہے کہ جن مشکلات سے خوف زدہ ہو کر اِنہوں نے یہ پھیر کی راہ اختیار کی ہے وہ ہندوستان کے انگریزی اقتدار سے آزاد ہونے کے بعد بھی جوں کی توں قائم رہینگی۔ اوپر میں نے مشکلات کی جو تشریح کی ہے اس پر ایک مرتبہ پھر نظر ڈال کر دیکھ لیجیے۔ کیا ان میں سے کوئی مشکل بھی خود مختار ہندوستان کے دور میں دُور ہو جائیگی؟ اگر نہیں تو جو لوگ آج ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کی حکمت اور ہمت نہ رکھنے کی وجہ سے راستہ کترا کر نکل رہے ہیں وہ کل بھی اسی وجہ سے اصل مقصد اسلامی کی طرف براہِ راست پیش قدمی کرنے سے جی چرائینگے۔ خوب جان لیجیے کہ اس مقصد کی طرف جب بھی آپ اقدام کرنا چاہینگے، بہر حال آپکو ان مشکلات سے سابقہ پیش آئیگا۔ جو لوگ اِن کا مقابلہ کرنے کی تدبیر اور عزم نہیں رکھتے وہ موجودہ حالات ہی میں نہیں بلکہ کسی حال میں بھی اس طرف اقدام نہیں کر سکتے۔ اور جنکے پاس تدبیر اور عزم دونوں موجود ہیں، اُن کے لیے کسی پھیر کے راستہ پر چلنا تضیع وقت اور حماقت ہے، وہ تو اس پہاڑ کو کاٹ کر براہِ راست ہی اپنے مقصد کی طرف قدم بڑھائینگے۔

پاکستانی خیال کے لوگ دوسرا گروہ زیادہ تر اُس طبقہ پر مشتمل ہے جس نے تمام تر مغربی طرز پر ذہنی تربیت پائی ہے۔ یہ لوگ سیاسی فکر تو مغربی ماخذ سے لیتے ہیں، مگر چونکہ موروثی طور پر اسلام کے حق میں ایک تعصب اِن کے اندر موجود ہے، اور "مسلمان قوم" ہونے کا شعور اِن کے اندر بیدار ہو گیا ہے اسلیے جو کچھ یہ کرنا چاہتے ہیں "مسلمان قوم" کے لیے اسلام کے نام سے ہی کرنا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اِنکے اقوال اور اعمال میں اسلامی اصطلاحات اور مغربی طرز فکر و عمل عجیب طریقہ سے خلط ملط ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس مضمون میں یہ موقع نہیں ہے کہ میں اس خلط مبحث کا تجزیہ کر کے تفصیل کے ساتھ اِس مخلوط کے ایک ایک جزء کی اصل نوعیت کا نشان دے سکوں۔ اپنے موضوع کے لحاظ سے میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پہلے گروہ کی طرح اس گروہ کا راستہ بھی راہِ راست کے تینوں اجزاء سے منحرف ہے۔

(۱) پہلے دعوت کو لیجیے۔ انکے ذمہ دار لیڈروں کی تقریریں، انکی نمائندہ مجلسوں کی قراردادیں، اِنکے کارکنوں کی باتیں، اِنکے اہلِ قلم کی تحریریں، سب کی سب اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ انکی دعوت اصل میں ایک قوم پرستانہ دعوت ہے، یعنی اِنکی پکار اسلام کے نصب العین کی طرف نہیں ہے بلکہ اِس طرف ہے کہ اِن کی قوم متفق و متحد ہو کر ہندو قوم کے مقابلہ میں اپنے دنیوی مفاد کی حفاظت کرے۔ گویا جس طرح آزادی پسند لوگوں نے انگریزوں کو اپنا قومی حریف بنایا ہے اُسی طرح اِنہوں نے ہندوؤں کو اپنا قومی حریف بنا لیا ہے۔ اِس لحاظ سے یہ اور "آزادی پسند" حضرات ایک سطح پر کھڑے ہیں۔ لیکن جس چیز نے اُنکی بہ نسبت اِنکی روش کو اسلام کے لیے اور زیادہ مُضر بنا دیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ تو وطن اور وطنی مفاد کے نام پر لڑتے ہیں، مگر یہ اپنی قومی اور دنیوی لڑائی میں بار بار اسلام اور مسلمان کا نام لیتے ہیں جسکی وجہ سے اسلام خواہ مخواہ ایک فریق جنگ بن کر رہ گیا ہے اور غیر مسلم قومیں اُس کو اپنا سیاسی اور معاشی حریف سمجھنے لگی ہیں۔ اِس طرح اِنہوں نے نہ صرف اپنے آپ کو اسلام کی دعوت کے لائق نہیں رکھا ہے، بلکہ اسلام کی اشاعت کے راستہ میں اتنی بڑی رکاوٹ پیدا کر دی ہے کہ اگر دوسرے مسلمان بھی یہ کام کرنا چاہیں

تو غیر مسلموں کے دلوں کو اسلام کے لیے مقفل پائینگے۔

اس میں شک نہیں کہ اس قوم پرستانہ دعوت کے ساتھ یہ لوگ کبھی کبھی اسلام کی خوبیاں اور اسکے اصولوں کی فضیلت بھی بیان کیا کرتے ہیں۔ مگر اول تو قوم پرستی کے پس منظر میں یہ چیز ایک اصلی دعوت کے بجائے محض ایک قومی تفاخر بن کر رہ جاتی ہے۔ اور مزید براں دعوت اسلام کے ساتھ جن دوسری نو بابل کی یہ آمیزش کرتے ہیں وہ بالکل اس دعوت کی ضد ہیں۔ ایک طرف اسلامی نظام حکومت کی تبلیغ اور دوسری طرف اُن "مسلمان" ریاستوں اور حکومتوں کی حمایت جنکا نظام بالکل غیر اسلامی ہے، ایک طرف اسلامی نظام معاشی کی تشریح اور دوسری طرف خود اپنی قوم کے قارونوں کی تائید و مدافعت، ایک طرف انسانی قانون سازی کا اصولی ابطال اور دوسری طرف خود قانون ساز مجلسوں میں اپنے حصہ کا مطالبہ، ایک طرف حاکمیت رب العالمین کا اقرار و اثبات اور دوسری طرف حاکمیت جمہور کے اصول پر خود اپنی قومی حکومت کے قیام کی فکر، ایک طرف انسانیت کی نسلی، قومی اور وطنی تقسیم کا ابطال اور دوسری طرف ہر وقت قوم قوم کا شور اور خود قومیت ہی کے اصول پر دوسری قوموں سے جدال و کشمکش، ایک طرف بے غرضانہ حق پرستی کا دعویٰ اور دوسری طرف شب و روز اپنے دنیوی مفاد ہی کا نوحہ و ماتم، ایک طرف اسلامی تہذیب و تمدن پر فخر و ناز اور اسکی حفاظت کے لیے پُرشور لام بندی اور دوسری طرف اسی تہذیب و تمدن کے باغیوں اور قاتلوں کی سرداری و پیشوائی، یہ دونوں چیزیں آخر کس طرح ایک ساتھ نبھ سکتی ہیں؟ منکر مے بودن و ہمرنگِ مستاں زیستن۔ ایسی متضاد باتوں سے دنیا نے کب کوئی اثر قبول کیا ہے کہ آج اِن سے اسلام کا جھنڈا زمین میں گڑ جانے کی امید کی جاتی ہے۔

(۲) اب دیکھیے کہ یہ اپنی جماعتی تشکیل کس ڈھنگ پر کرتے ہیں۔ اِنکا قاعدہ یہ ہے کہ یہ اُن سب لوگوں کو جو ازروئے پیدائش مسلمان قوم سے تعلق رکھتے ہیں، اپنی جماعت کی رکنیت کا بُلاوا دیتے ہیں اور جو اُس کو قبول کرلے اسے ابتدائی رکن بنا لیتے ہیں۔ پھر انہی ابتدائی ارکان کے ووٹوں سے ذمہ دار

کارکن اور عہدہ دار منتخب ہوتے ہیں اور انہی کی کثرت رائے سے تمام معاملات انجام دیے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ طریقہ صرف قومی تنظیم ہی کے لیے موزوں ہو سکتا ہے اور اس طریقہ سے جو نظام بنے وہ اسکے سوا کچھ نہیں کر سکتا کہ ایک قوم کی خواہشات جیسی کچھ بھی ہوں اُنکے حصول کی کوشش کرے۔ رہی ایک اصولی تحریک، تو اسکو چلانے کے لیے یہ طریق جماعت سازی نہ صرف بیکار بلکہ مُضر ہے۔ ایک قوم کے تمام افراد کو محض اس وجہ سے کہ وہ نسلاً مسلمان ہیں، حقیقی معنی میں مسلمان فرض کر لینا اور یہ امید رکھنا کہ اُنکے اجتماع سے جو کام بھی ہوگا اسلامی اصول ہی پر ہوگا، پہلی اور بنیادی غلطی ہے۔ یہ انبوہِ عظیم جسکو مسلمان قوم کہا جاتا ہے، اس کا حال یہ ہے کہ اسکے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں، نہ ان کا اخلاقی نقطۂ نظر اور ذہنی رویّہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آرہا ہے اسلیے یہ مسلمان ہیں۔ نہ انہوں نے حق کو حق جان کر اسے قبول کیا ہے، نہ باطل کو باطل جان کر اسے ترک کیا ہے۔ انکی کثرت رائے کے ہاتھ میں باگیں دے کر اگر کوئی شخص یہ امید رکھتا ہے کہ گاڑی اسلام کے راستہ پر چلے گی تو اس کی خوش فہمی قابلِ داد ہے۔

(۳) اسکے بعد اُس طریقہ کا جائزہ لیجیے جس سے یہ بزعم خود اسلامی نصب العین تک پہنچنے کی امید رکھتے ہیں۔ انکی تجویز یہ ہے کہ پہلے اُسی جمہوری دستور کے مطابق، جو انگریزی حکومت یہاں نافذ کرنا چاہتی ہے، مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کی اپنی حکومت قائم ہو جائے، پھر کوشش کی جائیگی کہ یہ قومی حکومت اسلامی نظام حکومت میں بتدریج تبدیل ہو جائے[1]۔ لیکن یہ ویسی ہی غلطی ہے جیسی

[1] اس موقع پر یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مسلم لیگ کے کسی ریزولیوشن اور لیگ کے ذمہ دار لیڈروں میں سے کسی کی تقریر میں آج تک یہ بات واضح نہیں کی گئی کہ ان کا آخری مطمحِ نظر پاکستان میں اسلامی نظامِ حکومت قائم کرنا ہے۔ برعکس اسکے انکی طرف سے بصراحت اور تکرار جس چیز کا اظہار کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انکے پیشِ نظر محض ایک ایسی جمہوری حکومت ہے جس میں دوسری

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸ پر ملاحظہ ہو)

"آزادیِ ہند" کو مقدم رکھنے والے حضرات کر رہے ہیں۔ اُنکی تجویز پر مجھے جو اعتراضات ہیں بعینہٖ وہی اعتراضات اُنکی تجویز پر بھی ہیں۔ اِنکا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں حاکمیتِ جمہور کے اصول پر خود مختار حکومت کا قیام آخر کار حاکمیت رب العالمین کے قیام میں مددگار ہو سکتا ہے۔ جیسی مسلم اکثریت اِس مجوزہ پاکستان میں ہے، ویسی ہی، بلکہ عددی حیثیت سے بہت زیادہ زبردست اکثریت افغانستان، ایران، عراق، ٹرکی اور مصر میں موجود ہے اور وہاں اُسکو وہ "پاکستان" حاصل ہے جسکا یہاں مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ پھر کیا وہاں مسلمانوں کی خود مختار حکومت کسی درجہ میں بھی حکومت الٰہی کے قیام میں مددگار ہے یا ہوتی نظر آتی ہے؟ مددگار ہونا تو در کنار، میں پوچھتا ہوں کیا آپ وہاں حکومت الٰہی کی تبلیغ کر کے پھانسی یا جلاوطنی سے کم کوئی سزا پانے کی امید کر سکتے ہیں؟ اگر آپ وہاں کے حالات سے کچھ بھی واقف ہیں تو آپ اس سوال کا جواب اثبات میں دینے کی جرأت نہ کر سکینگے۔ اور جب صورت حال یہ ہے تو آپ کو غور کرنا چاہیے کہ آخر اسلامی انقلاب کے راستہ میں مسلمان قوموں کی اِن آزاد حکومتوں کے سدِّ راہ ہونے کا سبب کیا ہے۔ اس معاملہ کی جتنی تحقیق آپ کرینگے جواب اِسکے سوا کچھ نہ پائینگے کہ دراصل اصطلاحاً و نسلاً مسلمان ہونا اور چیز ہے اور نظریۂ حیات و مقصدِ زندگی کا اسلامی ہونا بالکل ایک دوسری چیز۔ جو لوگ

بقیہ حاشیہ صـ۲۷ ـ غیر مسلم قومیں بھی حصہ دار ہوں مگر اکثریت کے حق کی بنا پر مسلمانوں کا حصہ غالب ہو۔ بالفاظ دیگر انکو مطمئن کرنے کے لیے صرف اتنی بات کافی ہے کہ ہندو اکثریت کے تسلط سے وہ صوبے آزاد ہو جائیں جہاں مسلمانوں کی کثرت ہے، باقی رہا نظامِ حکومت تو وہ "پاکستان" میں بھی ویسا ہی ہوگا جیسا ہندوستان میں ہوگا۔ ان کے اس نصب العین پر جب یہ اعتراض کیا گیا کہ مسلمانوں کی کافرانہ حکومت اسلامی نقطۂ نظر سے غیر مسلموں کی کافرانہ حکومت کے مقابلہ میں کچھ بھی قابلِ ترجیح نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ قابلِ لعنت ہے، تو ذمہ دار لیڈروں میں سے تو کسی نے اس کا جواب نہ دیا، البتہ جو لوگ پاکستانی حلقوں کی صفِ آخر میں شمار ہوتے ہیں اور جنکی کوئی ذمہ دارانہ حیثیت نہیں ہے انہوں نے کہنا شروع کیا کہ مسلم اکثریت کو جب خود اختیاری حاصل ہو جائیگی تب ہم نظامِ حکومت کو بدلنے کی کوشش کرینگے۔

روح و اخلاق کے اعتبار مسلم نہ ہوں بلکہ محض اصطلاحی و نسلی حیثیت سے مسلمان ہوں اُنکو اگر بیرونی اثر و اقتدار سے کامل آزادی نصیب بھی ہو جائے، اور اگر اُنکے جمہور کو خود اپنی پسند کے مطابق نظام حکومت قائم کرنے کا پورا اختیار بھی حاصل ہو، تب بھی حکومتِ الٰہی وجود میں نہیں آسکتی۔ وہ اپنے دنیوی مفاد کے پرستار ہوتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ان میں حق اور صداقت کے لیے اپنے مفاد کو قربان کرنے کی طاقت نہیں ہوتی، بلکہ اسکے برعکس جب کبھی انکی اغراض دنیوی سے حق و صداقت کا تصادم ہوتا ہے تو وہ حق کو چھوڑ کر ہمیشہ اُس طرف جاتے ہیں جدھر اُنکی اغراض پوری ہوتی ہیں۔ جہاں ایسے لوگوں کی اکثریت ہو وہاں کبھی یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ عام انتخاب میں اُنکے ووٹوں سے وہ صالحین منتخب ہونگے جو منہاج نبوت پر حکومت کرنے والے ہوں۔ جمہوری انتخاب کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے دودھ کو بلو کر مکھن نکالا جاتا ہے۔ اگر دودھ زہریلا ہو تو اس سے جو مکھن نکلے گا، قدرتی بات ہے، کہ وہ دودھ سے زیادہ زہریلا ہوگا۔ اسی طرح اگر سوسائیٹی بگڑی ہوئی ہو تو اس کے ووٹوں سے وہی لوگ منتخب ہو کر برسرِ اقتدار آئینگے جو اس سوسائیٹی کی خواہشات نفس سے سندِ قبولیت حاصل کرسکینگے۔ پس جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہی قائم ہو جائیگی، اُن کا گمان غلط ہے۔ دراصل اسکے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔ اس کا نام حکومتِ الٰہی رکھنا اِس پاک نام کو ذلیل کرنا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ عوام کی اخلاقی و ذہنی تربیت کرکے، اُنکے نقطۂ نظر کو تبدیل کرکے، اور انکے نفسیات میں انقلاب برپا کرکے ایک جمہوری نظام کو الٰہی حکومت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس اخلاقی و نفسیاتی انقلاب کے برپا کرنے میں کیا مسلمانوں کی کافرانہ حکومت کچھ بھی مددگار ہوگی؟ کیا وہ لوگ جو موجودہ بگڑی ہوئی سوسائیٹی کے مادّی مفاد سے اپیل کرکے اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہونگے ان سے آپ امید کرسکتے ہیں کہ وہ حکومت کا روپیہ، اسکے وسائل، اُسکے اختیارات کسی ایسی تحریک کی اعانت میں صرف کرینگے جسکا مقصد عوام کی ذہنیت تبدیل کرنا اور انہیں حکومت

الٹی کے لیے تیار کرنا ہو؟ اِس کا جواب عقل اور تجربہ دونوں کی روشنی میں نفی کے سوا کچھ نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ یہ لوگ اِس انقلاب میں مدد دینے کے بجائے الٹی اسکی مزاحمت کرینگے کیونکہ وہ خوب جانتے ہونگے کہ اگر عوام کے نفسیات میں تغیر واقع ہوگیا تو اس بدلی ہوئی سوسائیٹی میں انکا چراغ نہ جل سکے گا۔ یہی نہیں، اس سے زیادہ خوفناک حقیقت یہ ہے کہ نام کے مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ لوگ کفار کی بہ نسبت بہت زیادہ جسارت و بے باکی کے ساتھ ایسی ہر کوشش کو کچلیں گے اور اُنکے نام اُنکے ظلم کی پردہ پوشی کے لیے کافی ہونگے۔ جب صورتِ معاملہ یہ ہے تو کیا وہ شخص نادان نہیں ہے جو اسلامی انقلاب کا نصب العین سامنے رکھ کر ایسی جمہوری حکومت کے قیام کی کوشش کرے جو ہر کافرانہ حکومت سے بڑھ چڑھ کر اُسکے مقصد کی راہ میں حائل ہوگی؟

تحریف دین کے مجوزین اب تیسرے گروہ کو لیجیے۔ یہ لوگ مختلف قسم کی تجویزیں سوچ رہے ہیں۔ کوئی فکر اسلامی کے ساتھ غیر اسلامی افکار کا جوڑ لگا کر ایک نئی "خوشگوار" معجون بنانا چاہتا ہے۔ کوئی اس خیال میں ہے کہ "ہندوستانی اسلام" کا ایک نیا ایڈیشن نکالے۔ کوئی یہ چاہتا ہے کہ اسلام کے مجموعی نظام میں سے محض اسکے سیاسی و معاشی اصولوں کو لے لیا جائے اور انکی بنیاد پر ایک ایسی جماعت بنائی جائے جس میں شامل ہونے کے لیے عقائد، عبادات اور احکام شرعیہ کی پابندی لازم نہ ہو۔ یہ سب لوگ اپنے نزدیک نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان طریقوں سے رفتہ رفتہ وہ تنفر دور ہو جائیگا جو اسلام کے خلاف طبیعتوں میں پیدا ہو گیا ہے، اور جب وہ بعضِ اسلام سے کسی حد تک مانوس ہو جائینگے تو پورے اسلام سے مانوس ہونے میں زیادہ دیر نہ لگے گی۔

لیکن یہ سب خیالاتِ خام ہیں۔ نہ اصولی حیثیت سے اِنکو صحیح کہا جا سکتا ہے اور نہ عملی حیثیت سے ہی اِن کی کوئی قدر و قیمت ہے۔ میرے نزدیک ایسی تمام تجویزیں ضعفِ دل اور ضعفِ دماغ کا نتیجہ ہیں۔

اصولی حیثیت سے درحقیقت ہم اسلام میں کسی رد و بدل، کسی کمی و بیشی، اور کسی ترمیم و تشکیلِ جدید کے

مجاز ہی نہیں ہیں۔ ہم اسلام کے مالک نہیں ہیں، اُسکے صانع نہیں ہیں، اُسکے شارع نہیں ہیں۔ اسلام ہمارا مال نہیں ہے کہ مارکیٹ میں جیسی طلب ہو اسکے مطابق اپنے اس مال کو بنا کر بازار میں لائیں۔ ہماری حیثیت صرف پیرو اور مبلّغ کی ہے۔ مالک نے عقائد، عبادات اور احکام کا یہ پورا مجموعہ ہمیں دیا ہے تاکہ ہم خود اسکی پیروی کریں اور دوسروں تک اسے پہنچائیں۔ اس مجموعہ میں کوئی ترمیم کرنے کا، یا اسکی اصلی صورت کو بدل کر اسکی کوئی اور صورت بنانے کا ہم کو ہرگز کوئی حق نہیں پہنچتا۔ جسکو لینا ہے اسے پورے مجموعہ کو لینا پڑیگا اور اسی صورت میں لینا ہوگا جس میں مالک نے اُسے دیا ہے۔ اور جو اسکو اِس ہیئت مجموعی اور اِس مقرر صورت کے ساتھ نہ لینا چاہے اسکی خوشامد کرنے اور اسے کم و بیش پر راضی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اسلام تو ایک حکم ہے خالق کی طرف سے مخلوق کی طرف۔ خالق کا کام مخلوق کی خوشامد کرنا اور اسکو راضی کرنا نہیں ہے۔ مخلوق کو یا تو اس کا حکم، جیسا کہ وہ ہے، جوں کا توں ماننا پڑیگا۔ ورنہ وہ خود اپنا ہی کچھ بگاڑیگی، خالق کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گی۔ اسی لیے اللہ کی طرف سے اسکے جو رسول دنیا میں آئے انہوں نے پورے حکم کو لوگوں کے سامنے بعینہٖ پیش کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ جا ہو اِسکو لو اور جا ہو رد کر دو، بہرحال تمہاری خواہشات کے مطابق اِس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا جائیگا۔ ٹھیک یہی پوزیشن رسولوں کے نائب ہونے کی حیثیت سے ہماری بھی ہے۔

پھر یہ کتنی غیر معقول تجویز ہے کہ اسلام کے مجموعی نظام میں سے محض اسکے معاشی و سیاسی اصولوں کو لے لیا جائے اور انہی کی بنیاد پر ایک پارٹی ایسی بنائی جائے جس میں شامل ہونے کے لیے توحید، آخرت، قرآن، رسالت، کسی چیز پر بھی ایمان لانے کی ضرورت نہ ہو اور نہ عبادات کی بجاآوری اور احکام شرعیہ کی پابندی ضروری ہو۔ کیا کوئی صاحبِ نظر آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی یہ خیال کر سکتا ہے کہ کسی اجتماعی نظریہ اور لائحۂ عمل کو اُسکے بنیادی فلسفے، اُسکے نظام اخلاق اور اسکے تعمیر سیرت کرنے والے ارکان سے الگ کر کے چلایا جا سکتا ہے۔ اللہ کی حاکمیت کا تصور نکال دینے کے بعد اسلام کا نظامِ سیاسی آخر ہے کس چیز کا

نام ہے؟ اور اگر قرآن کو ماخذِ قانون اور محمد رسول اللہ کو رعیت (انسان) اور بادشاہ (اللہ) کے درمیان تنزیلِ احکام کا واحد مستند ذریعہ نہ مانا جائے تو کیا اسلامی طرز کے اسٹیٹ کی تعمیر ہوا پر کی جائیگی؟ نیز وہ کونسا نظامِ تمدن و سیاست ہے جو کسی نظامِ اخلاق کا سہارا لیے بغیر قائم ہو سکتا ہو؟ اور کیا اللہ کے سامنے انسان کی ذمہ داری و جواب دہی کا تخیل نکال دینے کے بعد اُس نظام تمدن و سیاست کے لیے کوئی اخلاقی سہارا باقی رہ جاتا ہے جس کا نقشہ اسلام نے پیش کیا ہے؟ کیا اس نظام کو آپ مادہ پرستانہ اخلاقیات کے بل پر ایک دن کے لیے بھی قائم کر سکتے ہیں؟ مزید برآں وہ خاص قسم کی انفرادی سیرت اور جماعتی زندگی جو اس نظامِ تمدن و سیاست کے لیے درکار ہے، نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ کے سوا اور کس ذریعہ سے پیدا ہو سکتی ہے؟ اور وہ نہ ہو تو یہ نظام چل کہاں سکتا ہے؟ پس یہ غایت درجہ کا افلاس فکر ہے کہ کوئی شخص محض شاخوں کا حُسن دیکھ کر کہنے لگے کہ آؤ جڑ کے بغیر ان شاخوں ہی سے درخت قائم کریں۔

عملی حیثیت سے بھی اس قسم کی تمام تجویزیں سراسر غلط ہیں۔ ان سے اصل مقصد تک پہنچنے کے بجائے خطرہ یہ ہے کہ کہیں ہم خود ہی راستہ میں گم نہ ہو جائیں۔ ترمیم شدہ صورت میں جس نام نہاد اسلام کی تبلیغ کی جائیگی، ایک روز وہی اصلی معیار بن جائیگا، اور جو لوگ اس پر ایمان لا کر جماعت میں شریک ہونگے، نہ صرف وہ خود اصل اسلام کی طرف رجوع کرنے سے انکار کر دینگے بلکہ وہ مصلحت پرست مسلمان بھی، جنہوں نے اُن سے کم و بیش پر سودا کیا تھا، انکے ساتھ انکی گمراہی میں شریک ہو جائینگے۔ مدارات (Compromise) پر جو کام مبنی ہوتے ہیں ان میں ہمیشہ یہی خرابی ہوتی ہے۔

۶۔ مشکلات کا جائزہ

اب ہمیں ایک نظر ان مشکلات پر ڈالنی چاہیے جن سے خوف زدہ ہو کر یہ انحراف کی راہیں اختیار کی جا رہی ہیں۔ کیا حقیقت میں وہ ایسی ہی مشکلات ہیں کہ ان کو حل نہیں کیا جا سکتا؟

تکرار بیان سے بچنے کے لیے میں ناظرین کو پھر ایک مرتبہ تکلیف دونگا کہ پیچھے پلٹ کر مضمون کے اُس حصہ پر نگاہ ڈال لیں جہاں میں نے ان مشکلات کی تشریح کی ہے۔

پہلی مشکل پہلی مشکل کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام صرف تمدنی، سیاسی اور معاشی مسائل کا حل ہی پیش نہیں کرتا بلکہ عقائد، عبادات اور ضوابط شرعیہ کا ایک مجموعہ بھی اُسکے ساتھ دیتا ہے، اور اسکو قبول کرنے کے معنی انسان کی پوری زندگی کے تبدیل ہو جانے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ چیز اسلام کو اُس طرح پھیلنے نہیں دیتی جسطرح دوسری تحریکیں پھیلتی ہیں۔ لیکن یہ مشکل بظاہر جتنی زبردست نظر آتی ہے، بباطن اتنی ہی کمزور اور بے حقیقت ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی اجتماعی نظریہ اور مسلک بھی ایسا نہیں ہے جو انسانی زندگی کے عملی مسائل کا مجرد حل پیش کرتا ہو اور اسکے ساتھ اپنے کچھ اعتقادات اور اپنا ایک مخصوص فلسفہ نہ رکھتا ہو۔ چند امور ما بعد الطبیعہ Metaphysical problems ایسے ہیں جنکے متعلق سلبی یا ایجابی حیثیت سے ایک نہ ایک رائے قائم کرنا بہرحال ہر اس مسلک کے لیے ناگزیر ہے جو انسان کے لیے ایک لائحۂ زندگی بنانے کا عزم کرے۔ یہ سوالات کہ کائنات کا یہ نظام کس نوعیت کا ہے؟ اور اس نظام میں انسان کی کیا حیثیت ہے؟ اور انسان کی زندگی کا مآل کیا ہے؟ اور یہ کہ دنیا میں سب کچھ تو انسان کے لیے ہے مگر انسان خود کس کے لیے ہے؟ یہ دراصل زندگی کے بنیادی سوالات ہیں جنکا ایک قابلِ عمل حل Workable solution پیش کیے بغیر کوئی ذہنی، اخلاقی، تعلیمی اور تمدنی نظام بنایا ہی نہیں جاسکتا اور کسی نظام کے بھی محض عملی پہلوؤں کو لے کر آدمی کام نہیں کرسکتا جب تک کہ ساتھ ساتھ اس کے بنیادی فلسفہ، یا بالفاظ دیگر اسکے اعتقادات کو بھی قبول نہ کرے۔ پس ایک اعتقادی نظام ہونا تنہا اسلام ہی کی کوئی انوکھی خصوصیت نہیں ہے۔ اس سے بہت اگر اسلام کی راہ میں کوئی مشکل حائل ہے تو ایسی مشکل ہر اجتماعی مسلک کی راہ میں حائل ہے۔ ہر اجتماعی مسلک فی الواقع ایک مذہب ہی ہے

اور جو بھی اسکی پیروی اختیار کرتا ہے وہ حقیقت میں ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرتا ہے خواہ اپنی سادہ لوحی کی بنا پر یہ کہتا اور سمجھتا رہے کہ بدستور اپنے پہلے مذہب پر ہوں۔

میں ایک سیدھی سی مثال سے اس نکتہ کی مزید توضیح کرونگا۔ یہ کمیونزم آپکے سامنے ہے۔ اسی کو مثال میں لے لیجیے۔ اگر اسلام اس مابعد الطبیعی نظریہ سے اپنے مسلک کی ابتدا کرتا ہے کہ خدا ہے، تو کمیونزم اس نظریہ سے چلتا ہے کہ خدا نہیں ہے یا کم از کم یہ کہ اس کا وجود و عدم وجود ہمارے لیے خارج از بحث ہے۔ اگر اسلام یہ نقطۂ نظر اختیار کرتا ہے کہ یہ دنیا خدا کی سلطنت ہے اور انسان یہاں اُس کا تابع امر ہے تو کمیونزم یہ نقطۂ نظر اختیار کرتا ہے کہ یہ دنیا ایک اتفاقی بساط ہے اور انسان یہاں مطلقاً خود مختار (Independent) ہے۔ اگر اسلام یہ پہلو لیتا ہے کہ انسان کو یہاں کام کرنے کے لیے خدا کی ہدایت درکار ہے اور وہ وحی کے ذریعہ سے آتی ہے تو کمیونزم یہ پہلو لیتا ہے کہ کوئی ہدایت درکار نہیں ہے اور وحی نہیں آتی۔ اگر اسلام اس مقام سے سلوک کا آغاز کرتا ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے جس میں انسان کو اپنی موجودہ زندگی کے پورے کارنامے کا حساب دینا ہے تو کمیونزم اس مقام سے چلتا ہے کہ جو کچھ ہے یہی زندگی ہے اور بعد میں نہ زندگی ہے نہ حساب نہ کتاب۔ دیکھیے، یہ دونوں یکساں مابعد الطبیعی نظریے ہیں اور دونوں میں سے کسی کو بھی تجربہ یا مشاہدہ سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اب اگر کسی سائنٹفک ثبوت کے بغیر محض استدلال اور قلبی شہادت کی بنا پر بہت سے وہ لوگ جو کل تک کمیونسٹ نہ تھے، آج کمیونزم کے نقطۂ نظر کو قبول کر سکتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ آخر انہی دو بنیادوں پر بہت سے وہ لوگ جو آج مسلم نہیں ہیں، کل اسلام کا نقطۂ نظر کیوں قبول نہیں کر سکتے؟

اسی طرح ایک ہادی پر ایمان لانے کا معاملہ بھی دونوں میں مشترک ہے۔ اگر مسلم ہونے کے لیے محمدؐ رسول اللہ پر ایمان لانا پڑتا ہے تو کمیونسٹ بھی آخر مارکس پر ایمان لاتا ہی ہے۔ پھر اگر ایک شخص جو کل تک مارکسی نہ تھا، آج مارکس کی تعلیمات کو دیکھ کر اسکو اپنا رہنما تسلیم کر سکتا ہے، تو آخر کونسی چیز مانع ہے کہ

ایک وہ شخص جو کل تک مسلم نہ تھا، آج محمد رسول اللہ کی زندگی، انکی تعلیمات اور ان کے کارنامے کو دیکھ کر ان کو اپنا ہادی اور رہبر تسلیم کرلے ؟

ایسا ہی معاملہ جماعتی ضوابط Party-discipline کا بھی ہے۔ اگر اسلام اُن لوگوں کو جو اسکی جماعت میں شامل ہوں، اپنے کچھ ضوابط کا پابند بناتا ہے تو کیا کمیونسٹ پارٹی اُن لوگوں کو جو اس میں شامل ہوں کسی ضابطہ اور کسی قاعدے میں نہیں جکڑتی ؟ پھر جب بہت سے انسان کمیونزم کے اصولوں پر ایمان لانے کے بعد کمیونسٹ پارٹی کے ضوابط کی پابندی قبول کر لیتے ہیں تو آخر اسلام ہی کے جماعتی ضوابط میں کونسا ہوّا چھپا ہوا ہے کہ جو لوگ اسلام کے اصولوں کو جانچ کر ان پر ایمان لانے کے لیے تیار ہونگے انکو یہ ہوّا اپنی صورت دکھا کر بھگا دیگا ؟

اس مثال سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اسلام میں خدا کی ہستی اور اسکی توحید کا اعتقاد، یا آخرت کا اعتقاد، یا پیغمبر کی ناقابل منازعت پیشوائی Indisputable leadership اور قرآن کے آخری منبع قانون ہونے کا اعتقاد شرطِ لازم ہونا، اور نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے ضوابط کی پابندی فرض ہونا، ہرگز کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اسکے پھیلنے اور غیر مسلموں کے اسکی طرف کھنچ کر آنے میں سدِ راہ ہو۔ مابعد الطبیعی اعتقادات اور جماعتی ضوابط دوسرے مسلکوں میں بھی موجود ہیں، اور جو انسان اِن مسلکوں میں اپنی زندگی کے مسائل کا حل اپنی سمجھ کے مطابق صحیح پاتے ہیں وہ اِن کے عقائد اور ضوابط، دونوں کو قبول کرتے ہی ہیں، پھر کوئی وجہ نہیں اگر اسلام انکے سامنے تمام مسائل زندگی کا بہترین حل پیش کرے، اور انکی اپنی فلاح و سعادت کا راستہ کھول کر سامنے رکھ دے تو عقائد اور ضوابط کی شرط صرف اسلام ہی کے معاملہ میں ان کے لیے غیر معمولی رکاوٹ ثابت ہو۔ رکاوٹ اگر ہے تو فی الواقع صرف اسی حد تک ہے کہ لوگوں کے لیے بالعموم اپنے پرانے مسلک کو چھوڑ کر کوئی دوسرا مسلک اختیار کرنا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن جو تحریک بھی دنیا میں پھیلتی ہے اسے بہرحال اس رکاوٹ سے سابقہ پیش آتا ہی ہے اور جو لوگ کسی تحریک پر ایمان لاتے ہیں وہ

بہرحال اس رکاوٹ کو عبور کر کے ہی قدم آگے بڑھاتے ہیں۔ اس کو سامنے کھڑا دیکھ کر راستہ کترانے کی کوشش صرف وہی شخص کریگا جو یا تو اپنے ایمان ہی میں صادق نہیں ہے یا پست ہمت اور ناکارداں ہے۔

البتہ اسلام کے حق میں اس رکاوٹ کو جس چیز نے شدید تر رکاوٹ بنا دیا ہے وہ ہماری یہ جامد اور بے روح مذہبیت ہے جسے آج کل اسلام سمجھا جا رہا ہے۔

اس بے روح مذہبیت کا پہلا بنیادی نقص یہ ہے کہ اس میں اسلام کے عقائد اور عبادات کا کوئی ربط اجتماعی نظام اور کاروبارِ حیاتِ دنیا سے قائم نہیں رہا ہے۔ اسلام کے عقائد محض ایک دھرم Religion کے مزعومات (Dogmas) بنا کر رکھ دیے گئے ہیں۔ حالانکہ وہ ایک مکمل فلسفۂ اجتماع اور نظامِ تمدن کی منطقی بنیاد ہیں۔ اور اسی طرح اسکی عبادات محض پوجا اور تپسیا بنا کر رکھ دی گئی ہیں حالانکہ وہ اُن ذہنی اور اخلاقی بنیادوں کو مضبوط و مستحکم کرنے کے وسائل ہیں جن پر اسلام نے اپنا نظام اجتماعی تعمیر کیا ہے۔ اس عملِ تحریف کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگوں کی سمجھ میں کسی طرح یہ بات نہیں آتی کہ آخر ایک سیاسی، معاشی اور تمدنی لائحۂ عمل کو چلانے کے لیے اِن عقائد اور عبادات کی ضرورت ہی کیا ہے۔

دوسرا بنیادی نقص اس مسخ شدہ مذہبیت میں یہ ہے کہ اس میں اسلامی شریعت کو ایک منجمد شاستر بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اس میں صدیوں سے اجتہاد کا دروازہ بند ہے جسکی وجہ سے اسلام ایک زندہ تحریک کے بجائے محض عہدِ گذشتہ کی ایک تاریخی تحریک بن کر رہ گیا ہے اور اسلام کی تعلیم دینے والی درسگاہیں آثارِ قدیمہ کے محافظ خانوں میں تبدیل ہو گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اجنبی لوگ اس چیز کو دیکھ کر زیادہ سے زیادہ تاریخی ذوق کی بنا پر اظہارِ قدر شناسی تو کر سکتے ہیں، مگر یہ توقع ان سے نہیں کی جا سکتی کہ وہ حال کی تدبیر اور مستقبل کی تعمیر کے لیے اُس سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کرینگے۔

تیسرا اہم نقص اس میں یہ ہے کہ جزئیات کی ناپ تول، مقداروں کے غیر منصوص تعیّن، اور روح سے بڑھ کر مظاہر پر مدارِ دین داری رکھنے کی بیماری اس میں حد سے بڑھ گئی ہے، اور وہ غیروں کی تالیف تو کیا

کریگی اُلٹی اپنوں کی تنفیر کا سبب بن رہی ہے۔ اِس غلط مذہبیت کے علمبرداروں کی زندگی دیکھ کر اور اُنکی باتیں سن کر آدمی اس سوچ میں پڑجاتا ہے کہ انسان کی ابدی فلاح و خسران کا مدار کیا اِنہی چھوٹی چھوٹی چیزوں پر ہے جن پر یہ لوگ اتنا زور دیتے ہیں؟

اسلام کے راستہ میں یہ بہت بڑی رکاوٹ ہے مگر یہ اسلام کا قصور نہیں ہمارا اپنا قصور ہے اور ہمارا فرض ہے کہ اپنے اُس نظامِ تعلیم کو بدلیں جس نے دین کے تصور کو اتنا غلط اور شریعت کے علم کو اس قدر جامد بنا دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک زندہ تحریک تحکّمی عقائد کے بل پر تو نہیں اُٹھ سکتی۔ ہمیں اسکے عقائد کو معقول دلائل کے ساتھ پیش کرنا ہوگا، پھر عقائد کے ساتھ عبادات کا اور عبادات کے ساتھ قوانینِ زندگی کا منطقی ربط واضح کرنا پڑیگا، پھر ان قوانین کو زندگی کے تمام عملی مسائل پر منطبق کرکے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ جتنی انسانی ضروریات ہیں اُن سب کا حل اِن قوانین میں موجود ہے، تب کہیں لوگ اس نظام کو ایک معقول نظام کی حیثیت سے سمجھ سکینگے، اور جب وہ اسے سمجھینگے تو قبول بھی کرنے پر آمادہ ہونگے۔ یہ تعمیری کام چونکہ سخت محنت طلب ہے، اسلیے اِس محنت سے جی چرا کر لوگ بنے بنائے آسان راستوں کی طرف دوڑ جاتے ہیں، مگر یہ نہیں سوچتے کہ اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیے راستہ بنانے کی زحمت بہرحال ہمیں اٹھانی ہی پڑیگی۔ جس نے بھی کوئی مقصدِ عظیم پیشِ نظر رکھا ہے اسے یہ زحمت اٹھانی پڑی ہے، اور اگر واقعی ہم اپنے مقصد میں صادق ہیں تو ہمیں اِس کام کے لیے تیار ہونا چاہیے۔

دوسری مشکل اب دوسری مشکل کو لیجیے۔ جن تعصبات کو اسلام کی راہ میں حائل بتایا جاتا ہے ان کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

ایک قسم کا تعصب تو وہ ہے جو طبعاً ہر شخص کے اندر ہر اُس چیز کے خلاف ہوتا ہے جو اُس کے لیے نئی ہو، جس پر اس نے اپنے باپ دادا کو نہ پایا ہو، اور جس سے وہ مانوس نہ ہو۔ یہ تعصب صرف آج ہی اسلام کی راہ میں حائل نہیں ہے، پہلے بھی حائل تھا۔ اور جیسا کہ میں اوپر اشارہ کر چکا ہوں، صرف اسلام ہی کی راہ

میں حائل نہیں ہے، ہر تحریک کی راہ میں حائل ہوتا ہے۔ تاہم یہ ایسی رکاوٹ نہیں ہے جسکو دور نہ کیا جا سکتا ہو۔ پہلے بھی اس رکاوٹ کے باوجود اسلام پھیلا ہے اور اب بھی پھیل سکتا ہے۔

دوسری قسم کا تعصب وہ ہے جو دراصل اسلام کے خلاف نہیں بلکہ مسلمانوں کے خلاف پیدا ہوا ہے اور مسلمانوں کے واسطے سے اسلام کی راہ میں حائل ہو گیا ہے۔ مسلمانوں نے پچھلی کئی صدیوں میں جو غیر اسلامی طریقے اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی میں اختیار کیے، اور اب بھی اپنے انفرادی کردار اور اجتماعی رویے میں جس غیر اسلامی سیرت کا وہ اظہار کر رہے ہیں، یہ سارے تعصبات فی الحقیقت اسی کے بھڑکائے ہوئے ہیں۔ اس واقعہ سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ہندوستان کو اصلی اسلامی حکومت، خالص اسلامی اخلاق اور حقیقی اسلامی تمدن سے لذت آشنا ہونے کا کبھی موقع ملا ہی نہیں۔ گذشتہ زمانہ میں مسلمان بادشاہوں نے، مسلمان امرا نے، مسلمان حکام اور اہل کاروں اور سپاہیوں نے، مسلمان زمینداروں اور رئیسوں نے اور مسلمان عوام نے اپنے برتاؤ سے اسلام کا جو نمونہ پیش کیا وہ ہرگز ایسا نہ تھا کہ اس ملک کے عام باشندوں کو اسلام کا گرویدہ بنا سکتا۔ بلکہ اسکے برعکس نفسانی اغراض کے لیے جو کشمکش انکے اور غیر مسلم عناصر کے درمیان مدتہائے دراز تک برپا ہوتی رہی اُس نے اسلام کے خلاف مستقل تاریخی تعصبات پیدا کر دیے۔

اِس تاریخی پس منظر کے ساتھ اسلام کا جو نمونہ آج اِس زمانہ میں مسلمان اپنی انفرادی زندگی اور اجتماعی طریقِ کار سے پیش کر رہے ہیں وہ بھی کچھ ایسا خوبصورت نہیں ہے کہ اِس قسم کے نمونے کو دیکھ کر لوگ اُس تحریک کے عاشق ہو جائیں جسکی نمائندگی اِس شان سے کی جا رہی ہو۔ انفرادی زندگی میں ایک عام مسلمان ایک عام غیر مسلم سے آخر کس چیز میں برتر نظر آتا ہے کہ لوگ اُس برتری کے منبع کی جستجو کریں؟ اس کے برتاؤ میں، اسکے اخلاق میں، اسکے معاملات میں کہاں کوئی خفیف سی چمک بھی ایسی نمودار ہوتی ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ شخص فائق تر اور پاکیزہ تر اصولوں کا پیرو ہے؟ کیا ایک مسلمان زمیندار یا "شریف" اصطلاحی "کمینوں" کے مقابلہ میں اپنے طبقہ کے کسی غیر مسلم "شریف" یا رئیس سے کچھ کم نخوت برتتا ہے؟

کیا ایک مسلمان تاجر یا پیشہ ور آدمی اپنے ہم پیشہ غیر مسلم سے کچھ زیادہ متدین ہوتا ہے؟ کیا ایک مسلمان حاکم یا عہدہ دار اپنے اختیارات کے استعمال میں کسی غیر مسلم ہم سر سے کچھ بہتر اخلاقی اصولوں کی پیروی کرتا ہے؟ کیا دفتروں کے مسلمان ملازم رات دن اپنی تمام ذلیل طریقوں کی پیروی نہیں کر رہے ہیں جنکی پیروی انکے غیر مسلم ساتھی کرتے ہیں؟ کیا وہی جائز و ناجائز طریقوں سے اپنی قوم کا تعصب، وہی کمینہ چالوں سے غیر قوم والوں کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کرنا، اور اپنی چھوٹی چھوٹی دنیوی اغراض کے پیچھے لڑے مرنا، جسکی شکایت یہ غیر مسلموں سے کرتے ہیں، خود ان کا بھی رات دن کا مشغلہ نہیں ہے؟ پھر جب ایک غیر مسلم اسلام کے ان نمائندوں کی زندگی میں کہیں بھی کوئی فوقیت کا نشان نہیں پاتا جب وہ انہیں بھی وہی سب کچھ کرتے دیکھتا ہے جو وہ خود کرتا ہے، اور جب وہ انہیں بھی اپنی مقاصد کے لیے لڑتے جھگڑتے، اور کشمکش کرتے دیکھتا ہے جنکے لیے وہ خود لڑتا، جھگڑتا اور کشمکش کرتا ہے، تو آخر کونسی چیز اسکو اُس مسلک کی طرف مائل کر سکتی ہے جسکی نمائندگی یہ لوگ کر رہے ہیں۔ بلکہ جب ایک ہی نصب العین اور دنیا پرستی کے میدان میں وہ اور یہ برابر کے حریف ہیں تو اپنے حریفوں کے مسلک پر وہ کھلے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہی کیوں محسوس کرنے لگا؟ ایک طرف پچھلے تاریخی تعصبات، اور پھر آج کی نفسانی کشمکش، کیا یہ دونوں چیزیں اسکے دل کے دروازوں پر قفل چڑھانے کے لیے کافی نہیں؟

انفرادی زندگی سے وسیع تر، قومی دائرے میں مسلمان اس وقت تک جس پالیسی پر چلتے رہے ہیں، اور آج جس پالیسی پر مُصر ہیں، بلکہ جسے اپنی حیات اجتماعی کا ضامن سمجھ رہے ہیں وہ کیا ہے؟ اصول اسلام اور مقاصد اسلام کا کہیں نام تک نہیں آتا۔ کسی خطبے، کسی تقریر، کسی ریزولیوشن میں آپ ایک فقرہ ایسا نہیں پا سکتے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ یہ لوگ اپنی اغراض اور اپنے دنیوی مقاصد کے لیے نہیں بلکہ انسانوں کی فلاح کے لیے عالمگیر کلّی اصول لیکر اُٹھے ہیں اور انکی لڑائی محض اصول حق کی خاطر ہے۔ اسکے برعکس آپ یہ دیکھینگے کہ اِن کے اور دوسری قوموں کے درمیان بالکل برابر کی

قوم پرستانہ جنگ برپا ہے، دونوں ایک سطح پر اتر آئے ہیں، ایک ہی مرتبہ کی دنیوی اغراض کے لیے کشمکش کر رہے ہیں، ایک ہی قسم کی چالیں (Tactics)، زبان، اصطلاحات اور اصولِ نزاع اختیار کر رہے ہیں، اور سارا رونا دھونا اور لڑائی جھگڑا انہی چیزوں کے لیے ہے جنکے لیے انکے حریفوں کا رونا دھونا اور لڑائی جھگڑا ہے۔ پھر کس طرح یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ جن لوگوں سے آپ دنیوی اغراض کے لیے مساوی مرتبہ پر لڑ رہے ہوں، جن سے آپ رقابت اور حریفی کا پرانا اور تازہ رشتہ رکھتے ہوں، جنکے ساتھ آپ کی سیاسی اور معاشی مفادات کے لیے کشمکش برپا ہو، وہ آپ کی طرف سے کسی اصولی تحریک کی دعوت پر اسی طرح کھلے دل سے غور کرنے کے لیے تیار ہونگے جس طرح وہ اشتراکیت یا ڈیموکریسی یا کسی اور مسلک کی دعوت کے لیے تیار ہوتے ہیں؟

یہ تعصبات اسلام کے راستہ میں دوسری عظیم الشان رکاوٹ ہیں، مگر ان کا علاج یہ نہیں ہے کہ ہم ان تعصبات کی پیدائش کے سبب کو باقی رکھیں اور پھر انکی موجودگی کو بہانہ بنا کر اپنے مقصد کی طرف براہِ راست پیش قدمی کرنے سے منہ موڑیں، بلکہ انکا اصلی علاج یہ ہے کہ ہم اپنے انفرادی اور اجتماعی طرزِ عمل کو بدلیں اور اس طرح تمام تعصبات کی جڑ کاٹ کر اپنے مقصد کی طرف بڑھنے کے لیے سیدھا راستہ تیار کریں۔ جو لوگ محض سرسری نگاہ میں یہ دیکھ کر کہ اسلام کے خلاف ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی، تمام قوموں میں سخت تعصبات پھیلے ہوئے ہیں، یہ فیصلہ صادر کر دیتے ہیں کہ اس حالت میں اسلام ایک خالص اصولی تحریک کی حیثیت سے نہیں پھیل سکتا، وہ دراصل واقعات کو غلط رنگ میں دیکھتے اور غلط نتائج نکالتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے اوپر ثابت کیا ہے، یہ تعصبات اسلام اور اسلامی سیرت کے بھڑکائے ہوئے نہیں ہیں (جس سے ان قوموں کو ہندوستان میں کم ہی سابقہ پیش آیا ہے) بلکہ اسلام کے ان غلط نمائندوں کی روش سے پیدا ہوئے ہیں جو مسلمان ہونے کے باوجود غیر اسلامی طریقوں پر چلتے رہے اور خالصتہً للہ کام کرنے کے بجائے اپنی دنیوی اغراض اور نفسانی خواہشات کے لیے کام کرتے رہے۔ لہٰذا ان تعصبات کے تدارک کی صحیح صورت یہ ہے کہ

اب اپنی سیرت، اپنے اعمال اور اپنی اجتماعی جدوجہد سے اسلام کی صحیح نمائندگی کیجیے، نہ یہ کہ تعصبات کی موجودگی کو اُسی غلط روش پر چلنے کے لیے حجت بنائیے جسکی وجہ سے تعصبات پیدا ہوئے ہیں۔ بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ قومی تعصبات کی موجودگی میں اسلام کا ایک خالص اصولی تحریک کی حیثیت سے چلنا محال ہے، تو سوال یہ ہے کہ اسلامی مقاصد کے بجائے مسلمانوں کے دنیوی مفاد کے لیے جو کشمکش آپکے اور دوسری قوموں کے درمیان برپا ہے اور انکے قوم پرستانہ طریقوں کے جواب میں ویسے ہی قوم پرستانہ طریقے جس طرح آپ اختیار کر رہے ہیں، کیا اس سے یہ تعصبات کبھی قیامت تک بھی دور ہو سکتے ہیں؟ اگر نہیں، تو پھر یہ نہ کہیے کہ اس وقت کچھ خاص حالات ایسے ہیں جنکی وجہ سے اسلام ایک خالص اصولی تحریک کی حیثیت سے نہیں چل سکتا، بلکہ یوں فرمائیے کہ آئندہ بھی ہمیشہ ایسے ہی حالات موجود رہینگے اور اگر اسلام آپ ہی کا ورثۂ آبائی بنا رہا تو وہ ہمیشہ بنی اسرائیل کی طرح محض آپکا قومی مذہب بن کر رہیگا، کبھی ایک عالمگیر دعوت نہ بن سکے گا۔

یہ انسانی فطرت کا اقتضا ہے کہ خود غرضی کے جواب میں خود غرضی اور قوم پرستی کے جواب میں قوم پرستی پیدا ہوتی ہے۔ بخلاف اسکے بے غرضانہ حق پرستی کے مقابلہ میں تمام تعصبات اور تمام مخالفانہ جذبات آخرکار ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور ایک سچے بے لوث حق پرست کے آگے انسان عقیدت و محبت کے سوا کوئی اور چیز پیش کرنے پر قادر ہی نہیں رہتا۔ اگر مسلمان اپنی وہی حیثیت قائم رکھتے جو دراصل انکی تھی تو یہ ممکن نہ تھا کہ ہندوستان میں اِن کے خلاف وہ تعصبات پائے جاتے جنکی آج شکایت کی جاتی ہے۔ لیکن انہوں نے خود اپنی وہ حیثیت کھو دی۔ دنیوی فائدوں کے لیے دوسری قوموں سے لڑنے جھگڑنے لگے، اور اصولِ حق کے بجائے اپنی اغراضِ ذاتی و قومی کو انہوں نے اپنی جدوجہد کا محور بنا لیا۔ اس کے جواب میں اگر دوسروں کے اندر تعصب نہ پیدا ہوتا تو تعجب کی بات تھی۔ جن اصولوں کا آپ نام لیتے ہیں، اُنکی خود پیروی نہیں کرتے بلکہ رات دن اپنی شخصی اور اجتماعی زندگی میں انکے خلاف عمل کرتے رہتے ہیں۔ جس مقصدِ عالی

کا آپ اظہار کرتے ہیں، آپکی عملی جدوجہد اُس مقصد کے لیے نہیں ہے بلکہ آپکے افراد انفرادی طور پر اور آپکی پوری جماعت بحیثیت مجموعی اُسکو پسِ پشت ڈال کر دوسرے مقاصد کے پیچھے چلی جارہی ہے۔ اس صورت میں اگر اپنے خیالی نصب العین اور اپنے محض زبانی اصولوں کے لیے آپکا اپیل دوسروں پر کارگر نہ ہو، اگر وہ اس اپیل میں آپ کو جھوٹا سمجھیں اور آپکی تبلیغ کو محض ایک خود غرضانہ چال سمجھ کر حقارت سے رد کردیں، تو آخر اس میں حیرت کی بات ہی کونسی ہے۔

ظاہر ہے کہ کوئی غیر مسلم مسٹر جناح کے ۱۴ یا ۲۴ نکات پر تو ایمان نہیں لاسکتا۔ نہ مسلم لیگ یا مجلس احرار یا جمعیت العلماء کے دیزولیوشنوں میں کوئی ایسی چیز ہے جس پر کوئی ایمان لائے۔ ایمان اگر کوئی لاسکتا ہے تو لا الٰہ الا اللہ پر لاسکتا ہے بشرطیکہ ایک جماعت اسی کلمہ کے لیے جینے اور اسی پر مرنے والی اسکے سامنے موجود ہو۔ مگر وہ ہے کہاں؟ کونسی جماعت آپکے اندر ایسی موجود ہے جس نے خالص اطاعتِ حق کو اپنا مسلک اور خالص دینِ حق کے قیام کو اپنی کوششوں کا مرکز و محور بنالیا ہو؟ لوگ اسلام کی دعوت اور اسکے اصولِ حق کو کتابوں میں دیکھتے ہیں اور انکے معترف ہوجاتے ہیں۔ مگر اس اسلام پر عمل کرنے والی اور اسکے نصب العین کے لیے کام کرنے والی سوسائیٹی انکو کہیں نہیں ملتی پھر وہ جائیں تو آخر کہاں جائیں؟ کیا اُس سوسائیٹی میں شامل ہوں جو رات دن دنیا ہی کے پیچھے مری جاتی ہے اور انہی راستوں پر چلی جارہی ہے جن پر غیر مسلم چلتے ہیں؟ آپکی ایک جماعت لڑتی ہے اس لیے کہ ارضِ ہند پر انگریز کے بجائے ہندوستانی کا اقتدار قائم ہو۔ بعینہٖ یہی چیز ایک شخص کو غیر مسلم جماعتوں میں بھی مل جاتی ہے۔ پھر وہ آپکے پاس کیوں آئے؟ آپکی دوسری جماعت لڑتی ہے اس لیے کہ ہندو کے مقابلے میں نسلی مسلمانوں کے دنیوی مفاد کا تحفظ کیا جائے۔ یہ چیز اُسکو خود اپنی قوم پرستی کی مد مقابل نظر آتی ہے۔ پھر وہ اپنی قوم پرستی کو چھوڑ کر آپکی قوم پرستی پر کیوں ایمان لائے؟ انسان کو غیر اللہ کے تسلط سے آزاد کرانے والی جماعت آپ میں ہے کہاں کہ کوئی اس کے اصول و مقاصد

پر ایمان لائے اور اس میں شامل ہونے کے لیے آگے بڑھے!

تیسری مشکل | سب سے بڑی گتھی جو ہمارے سوچنے والے دماغوں کے لیے ناقابلِ حل بن گئی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں کروڑوں کی تعداد میں ایک ایسی قوم بستی ہے جو نہ پوری مسلمان ہے نہ پوری غیر مسلم۔ اس قوم کے اس حال میں یہاں موجود ہونے سے متعدد پیچیدہ مسائل پیدا ہو گئے ہیں جنکا کوئی حل لوگوں کو نہیں ملتا اور اسی وجہ سے رہنما اور کارکن سب پراگندہ عمل ہو رہے ہیں۔ مثال کے طور پر میں اُن چند بڑی بڑی الجھنوں کی طرف اشارہ کرونگا جو اس صورتِ حال نے پیدا کر دی ہیں۔

بعض لوگ لفظ مسلمان سے دھوکا کھا کر اس غلط فہمی میں پڑ گئے ہیں کہ اصل سوال اسلام کے احیاء (Revival) کا نہیں بلکہ مسلمانوں کے احیاء کا ہے۔ یعنی یہ قوم جو مسلمان کے نام سے پائی جاتی ہے، اس کو ایک زندہ اور طاقتور قوم بنانا اور برسرِ عروج لانا اصل مقصود ہے اور اسی کا نام اسلام کا احیاء ہے۔ یہ غلط فہمی انکو "مسلم قوم پرستی" کی حد تک کھینچ لے گئی ہے۔ جس طرح مونجے اور ساورکر کے لیے سوال ہندو قوم کے عروج کا ہے، جس طرح مسولینی کے لیے اطالوی قوم اور ہٹلر کے لیے جرمن قوم کے عروج کا سوال ہے، اسی طرح اِن "مسلم قوم پرستوں" کے لیے اصل سوال اُس مسلمان قوم کے عروج کا ہے جس میں یہ پیدا ہوئے ہیں اور جسکے ساتھ انکی قسمتیں وابستہ ہیں۔ یہ اسلام کی خدمت اِسکو سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعلیم (قطع نظر اس سے کہ وہ تعلیم کیسی ہی ہو)، اُنکی معاشی خوشحالی (خواہ وہ کسی قسم کے ذرایع سے حاصل ہو) اور اُنکی سیاسی وعسکری تنظیم (مجرّد قومی تنظیم) پر اپنا زور صرف کیا جائے، اور اُن کو ایک زبردست قوم بنا دیا جائے۔ پھر جب یہ اِنکا مقصد قرار پایا تو انہوں نے معاملات کو اس نظر سے دیکھنا شروع کیا کہ کونسی تدابیر اِس مقصد تک پہنچنے میں مددگار ہو سکتی ہیں۔ اور جو تدبیریں بھی ان کو دنیا میں قومی عروج کے لیے مفید و کارگر نظر آئیں انکو بے تکلف انہوں نے استعمال کرنا شروع کر دیا خواہ وہ اسلام سے انکو کتنی ہی دور لے جانے والی ہوں۔ یہ ذہنیت سر سید احمد خاں کے وقت سے آج تک مسلمانوں کے

اکثر و بیشتر رہنماؤں، کارکنوں اور اداروں پر مسلط ہے۔ اسلام کے نام سے جو کچھ سوچا جا رہا ہے مسلمانوں کے لیے سوچا جا رہا ہے اور اسلام کی قید سے آزاد ہو کر سوچا جا رہا ہے۔

کچھ دوسرے لوگ اسلام اور مسلمان کو اس حیثیت سے تو خلط ملط نہیں کرتے، لیکن ایک دوسری حیثیت سے وہ اسلام کے مستقبل کو موجودہ نسلی مسلمانوں کے دامن سے باندھ دیتے ہیں۔ وہ چاہتے تو اسلام ہی کا احیاء ہیں، مگر ان کا خیال یہ ہے کہ اسلام کا احیاء موقوف ہے اُن سب مسلمانوں کے مکمل مسلمان بن جانے پر جو اس وقت قومی و نسلی حیثیت سے مسلمان ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب تک یہ سارے کے سارے مسلمان ذہنی اخلاقی اور عملی حیثیت سے تبدیل نہ ہو جائیں، قدم آگے نہیں بڑھایا جا سکتا۔ اور یہ چیز چونکہ سخت دشوار بلکہ محال نظر آتی ہے، اس لیے یہ لوگ اصل مقصد کی طرف پیش قدمی کرنے کے بجائے اِدھر اُدھر کے فضول کاموں میں مختلف ضمنی مقاصد کے پیچھے اپنی قوتیں ضائع کر رہے ہیں۔

کچھ اور لوگ ہیں جنکے سامنے اسلامی نصب العین قریب قریب بالکل واضح ہو چکا ہے اور وہ اسکی طرف بڑھنا بھی چاہتے ہیں مگر یہ سوال انکو بار بار پریشان کرتا ہے کہ اگر ہمارے کارفرما دماغ اور کارکن ہاتھ سب کے سب اسلامی نصب العین کے لیے جدوجہد کرنے میں لگ جائیں تو آخر موجودہ کافرانہ نظام تمدن و سیاست اور اس کے آئندہ تغیرات میں ہماری قوم کے سیاسی و معاشی مفاد کا کیا حشر ہوگا۔ اس سوال کی اہمیت انکی نگاہ میں اتنی زیادہ ہے کہ وہ اپنے عزم سفر کو ملتوی کر کے کہتے ہیں کہ پہلے اس سوال کو حل کیا جائے اور اصل مقصد کی طرف قدم اُس وقت بڑھایا جائے جب اپنی قوم کا کوئی مسئلہ ہمارے لیے حل طلب باقی نہ رہے۔

لیکن یہ تمام الجھنیں غیر اسلامی طرزِ فکر اور غیر اسلامی ذہنیت کی پیداوار ہیں۔ اگر خالص مسلمان ہونے کی حیثیت سے دیکھا جائے تو ان میں سے کوئی الجھن بھی ہمارے لیے الجھن نہیں رہتی۔ ہمارے سامنے اصل سوال کسی قوم کے احیاء کا نہیں بلکہ مسلکِ اسلام کے احیاء کا ہے۔ قوم کے احیاء کا خیال دماغ سے نکالتے ہی وہ تمام مسائل کافور کی طرح اڑ جاتے ہیں جو قومیت کی اصطلاحوں میں سوچنے والے لوگوں کو

پریشان کیا کرتے ہیں۔ جب ہم مسلکِ اسلام کے پیرو ہیں اور اسکو فروغ دینا ہمارا مقصد ہے تو ہمیں کسی ایسے مفاد سے کوئی دلچسپی یا ہمدردی نہیں ہو سکتی جو کسی غیر اسلامی نظام سے وابستہ ہو یا اصول اسلام سے متصادم ہو۔ ہم اپنے دماغ کو اُس کے لیے سوچنے کی کچھ بھی زحمت نہ دینگے۔ قومی احیاء کی اُن تمام تدبیروں سے بھی ہمارا کوئی تعلق نہ ہوگا جو غیر اسلامی اصول پر مبنی ہوں۔ ایک قوم اور دوسری قوم کی باہمی کشمکش، اور ایک قوم پر دوسری قوم کے تفوق کی کوششوں سے بھی ہم پوری تبرّی کرینگے ہم کو جو کچھ بھی دلچسپی ہوگی اسلامی نظام فکر و عمل سے، اسکی تبلیغ و اشاعت سے، اور اسکو حکمراں بنانے کی سعی و جہد سے ہوگی۔ مسلمانوں سے ہمارا تعلق صرف اسی حد تک ہوگا جس حد تک ان کا تعلق اسلام سے ہے جو اپنی خواہش نفس اور ہر غیر اللہ کی بندگی چھوڑ کر صرف اللہ کی بندگی میں آجائے وہ ہمارا بھائی اور ہمارا رفیق ہے، خواہ وہ نسلی مسلمانوں میں سے آئے یا غیر مسلموں میں سے۔ ہم پیدائشی مسلمانوں کو بھی اسی مسلک کی طرف دعوت دینگے اور پیدائشی غیر مسلموں کو بھی۔ ہمارے نزدیک اسلام کا دامن نسلی مسلمانوں کے دامن سے بندھا ہوا نہ ہوگا کہ یہ اٹھیں تو وہ بھی اٹھے اور یہ نہ اٹھیں تو وہ بھی نہ اٹھے۔ اسلام اِن کے باپ دادا کی جائداد نہیں ہے۔ یہ اُسکے لیے جینے اور اُسی کے لیے مرنے پر تیار رہوں تو ہم خوش اور ہمارا خدا خوش۔ ورنہ جس جہنم میں اِن کا جی چاہے جا کر گریں۔ ہم اللہ کا کلمہ دوسرے انسانوں کے پاس لے جائینگے۔

یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں بعینہٖ یہی طرزِ عمل انبیاء و رسل کا تھا اور اسی کو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا۔ قرآن میں جن کو اہلِ کتاب کہا گیا ہے وہ آخر "نسلی مسلمان" ہی تو تھے۔ خدا اور ملائکہ اور نبی اور کتاب اور آخرت، سب کو مانتے تھے، اور عبادات و احکام کی رسمی پیروی بھی کرتے تھے۔ البتہ اسلام کی اصل روح، یعنی بندگی و اطاعت کو اللہ کے لیے خالص کر دینا اور دین میں شرک نہ کرنا، یہ چیز اُن میں سے نکل گئی تھی۔ اب دیکھیے، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس "نسلی مسلمان قوم" کے

احیاء پر اپنی کوششوں کو مرکوز فرمایا تھا؟ نہیں۔ کیا آپ نے یہ عہد کر لیا تھا کہ جب تک یہ سارے کے سارے "نسلی مسلمان" اصلی مسلمان نہ بن جائینگے قدم آگے نہ بڑھایا جائیگا؟ یہ بھی نہیں۔ کیا آپ نے ان "نسلی مسلمانوں" کے دنیوی مسائل کو حل کرنے تک اقامتِ دین کی کوششوں کو ملتوی رکھا تھا؟ یہ بھی نہیں۔ پھر آپ نے کیا کیا؟ سب جانتے ہیں کہ آپ نے تمام معاملات اور تمام مسائل سے قطع نظر کر کے "نسلی مسلمانوں" اور غیر مسلموں، سب کو خالص اللہ کی بندگی کی طرف دعوت دی، جس نے اسکو قبول کیا اور غیر اللہ کی بندگی و اطاعت ترک کر دی اسے اپنے جتھے میں شامل کر لیا اور پھر ان لوگوں کو لے کر الٰہی نظامِ اطاعت یعنی دینِ حق کو قائم کرنے کے لیے براہِ راست جدوجہد شروع کر دی یہاں تک کہ اسکو قائم کر کے چھوڑا۔

ٹھیک یہی طریقہ ہے جسکی پیروی کو میں حق سمجھتا ہوں، اسی کی پیروی خود کرنا چاہتا ہوں، اور اسی کا مشورہ ان سب لوگوں کو دیتا ہوں جن کا نصب العین اسلامی ہے۔